# سبدِ گُل

فارسی قصائد کی اجمالی تاریخ و تجزیہ

معہ انتخاب

از:- اختر مہدی

(فارسی قصائد کی اجمالی تاریخ اور تجزیہ)

معہ انتخاب

از

سیّد اختر مہدی

ایم۔ اے

شعبہ عربی و فارسی

الہ آباد یونیورسٹی

الہ آباد

زیر نگرانی پروفیسر سیّد محمد رفیق صاحب

صدر شعبہ عربی و فارسی

الہ آباد یونیورسٹی۔ الہ آباد

الہ آباد پرشین سوسائٹی پبلیکیشنز ڈویژن

محمود منزل۔ ۔ دریا آباد۔ الہ آباد

قیمت :- [illegible] روپے

# فہرست


| نمبر | مضمون | صفحات |
| --- | --- | --- |
| ۱ | پیش گفتار ... ... ... ... ... ... ... | ۴ - ۶ |
| ۲ | حرفی چند ... ... ... ... ... ... ... | ۷ |
| ۳ | عرضداست ... ... ... ... ... ... ... | ۸ |
| ۴ | قصیدہ ... ... ... ... ... ... ... | ۹ - ۱۸ |
| ۵ | فارسی قصیدہ نگاری کی اجمالی تاریخ ... ... | ۱۹ - ۴۸ |
| ۶ | افضل الدین خاقانی (حالات زندگی، خصوصیات کلام) | ۴۹-۵۵ |
| ۷ | ظہیر فاریابی (حالات زندگی، خصوصیات کلام) ... | ۵۶ - ۶۱ |
| ۸ | عرفی شیرازی (حالات زندگی، خصوصیات کلام) ... | ۶۲ - ۷۱ |
| ۹ | حکیم قاآنی (حالات زندگی، خصوصیات کلام) ... | ۷۲ - ۷۷ |
| ۱۰ | انتخاب از قصائد خاقانی ... ... ... | ۷۸-۹۱ |
| ۱۱ | انتخاب از قصائد ظہیر فاریابی ... ... ... | ۹۲ - ۱۰۲ |
| ۱۲ | انتخاب از قصائد عرفی ... ... ... | ۱۰۳-۱۲۳ |
| ۱۳ | انتخاب از قصائد حکیم قاآنی ... ... ... | ۱۲۳-۱۴۷ |

بصد خلوص و احترام

ڈاکٹر سید امیر حسن عابدی

پروفیسر و صدر شعبۂ عربی و فارسی دہلی یونیورسٹی

کی خدمت میں ہدیۂ عقیدت

# پیش گفتار

زیرِ نظر کتاب اختر مہدی صاحب کا ترتیب دیا ہوا فارسی قصائد کا انتخاب ہے۔ جس کی ابتدا میں مرتّب نے ایک طویل مقدمہ تحریر کیا ہے۔ یہ مقدمہ قصیدہ کی تعریف سے لے کر، اس کی تاریخ، اس کے عروج و زوال کی داستان اور پھر اس کے خارجی اور داخلی عوامل کا تجزیہ اور تنقید بھی ہے۔

اگرچہ آج قصیدے کی اہمیت محض تاریخی ہو کر رہ گئی ہے لیکن اپنے عروج کے زمانے میں قصیدہ شاعر کی فنّی معراج کی، نہ صرف دلیل تھا بلکہ اُسکی صلاحیتوں کی ادبی محک بھی اور جب یہ صنفِ سخن زوال پذیر ہوئی تو قصیدہ، لفاظی، بے جا تفاخر اور تقریباً یاوہ گوئی کا مترادف بن گیا۔ شاعر کے لئے مطلب براری کا ذریعہ۔ لیکن جب ہر طرف شخصی حکومت، ذاتی منفعت اور وقتی مفاد کی تلاش کا دور دورہ ہو تو ایک خاص صنف سے جو اپنے کمالات کیلئے چند مخصوص اجزا تک محدود کر دی گئی ہو، اور کیا امید کی جا سکتی ہے۔ عربوں نے جب قصیدہ کو رواج دیا تو اس کی بنیاد، صداقت اور حقیقی جذبات پر رکھی اور اسے عوامی زندگی سے قریب رکھا۔ جب قوم یا قبیلے میں کسی فرد سے واقعی کوئی کارِ نمایاں ظہور پذیر ہوتا تو جوش اور ولولے کے تحت، قصیدہ، ایسے فرد کو صحیح خراجِ عقیدت پیش کرنے کا ایک ذریعہ تھا لیکن رفتہ رفتہ جب اسے شاہی دربار میں جگہ ملنے لگی تو خوشامد اور بے جا تعریف قصیدہ کا شیوہ سا بن گیا اور قصیدہ گو روز بروز حقیقت نگاری سے دور ہوتا گیا۔ تکلفات، تصنّع اور غیر حقیقی باتوں کے ساتھ

محض ایک محدود فضا میں پرواز کرتے رہنا ان تمام باتوں نے قصیدہ نگار کے فن کو اور محدود کر دیا۔ تخیل کی بلند پروازی، کوہ کندن اور کاہ بر آوردن، خیالی طوطے مینا بناتے رہنے، سے ہٹ کر، اگر قصیدہ سماجی زندگی کی طرف متوجہ ہوتا تو اس میں بڑھنے اور پھیلنے کے امکانات پیدا ہو سکتے تھے لیکن جب اس کی نظر کا محور صرف ایک ذات ہو گئی تو شاعر یا تو اسی ذات کی عینک سے سماجی زندگی کو دیکھنے لگا یا ملک اور انسانوں کی زندگی کے حالات کچھ بھی رہے ہوں مگر شاعر، اپنے ممدوح کی عظمت اور جود و کرم کے ایسے نتائج مرتب کرتا تھا جو دربار کے باہر شاید ہی کبھی نظر آتے رہے ہوں۔ شخصی حکومتوں کا جو مزاج بنا تھا اور جو ان حکومتوں میں تدبر اور سیاست دانی کے اصول تھے اُن کا اس دور میں یہی وطیرہ بن گیا۔ ہاں شکایت زمانہ ایک ایسا موقع تھا جس میں حساس اور باخبر شاعر اپنے دل کے جلے پھپھولے توڑ لیتا تھا۔ فارسی اور اردو کے تمام ایسے شعرا نے جن کا تعلق کچھ بھی عوامی زندگی سے تھا، جو دربار کی فضا سے نکل کر وقت کی آواز پر کان دھرتے تھے۔ انھوں نے تشبیب میں اپنے لئے یہ راستہ نکال لیا تھا اور یہی وہ موقع ہے جہاں سے آج ہمیں اس دور کی حقیقتیں جھانکتی نظر آتی ہیں۔ جہاں فن و فکر اور ممدوح کے ذاتی اوصاف کی دبیز چادر کے نیچے سے وہ دبی دبی کراہیں بھی سنائی پڑتی ہیں جن میں قصیدہ گو کے گرد و پیش کی زندگی کی تلخیاں شامل تھیں۔ آسمان اور زمانہ یہی دو علامتیں قصیدہ نگاروں کے یہاں اس وقت کی زندگی کی حقیقتوں کی مظہر ہیں جنھیں قصیدہ گوئی کا جائزہ لینے والوں کو نظر میں رکھنا چاہیئے۔ اردو میں سودا کے یہاں یہ کیفیت شدت کیساتھ محسوس کی جا سکتی ہے۔ ان کے تضحیک روزگار، ہجو بکریاں، لامیہ اور شہر آشوب سب اس کی مثالیں ہیں۔ فارسی قصیدہ کی تاریخ میں خاقانی، انوری، سعدی اور عرفی کے یہاں یہ تصویر بہت واضح ہیں ؎

صبح دم چوں کلہ بندد آہِ دود آسائے من . چون شفق در خون نشیند چشمِ شب پیمائے من

اور وہ قصیدہ جو خاقانی نے طاق کسریٰ کی شکستہ حالت کو دیکھ کر لکھا تھا۔ شہزادوں شاہ کے لئے عبرت کی تصویر ہے جو اپنے حکومت کے زعم میں خاقانی کو چین نہیں لینے دیتا تھا۔

خاقانی کا یہ شعر

بارگہ دادیم این رفت ستم بر ما . بر قصرِ ستم کاراں آیا چہ رود خذلان

حکومت پر ایک تازیانہ ہے۔

سعدیؔ نے دوسرا پیرایہ اختیار کیا اور یہ نصیحتوں پیرایہ تھا جس سے حکومت کی کمیوں اور خرابیوں کی بات ہی نکلتی ہے۔ اگر وہ حالات نہ ہوتوں جن کے لئے نصیحت کی جارہی ہے تو نصیحتیں بے محل ہوں گی لیکن سعدیؔ کی عظمت اس میں پوشیدہ ہے کہ انھوں نے حکومت وقت کی پروا نہ کرتے ہوئے انسانوں کے رنج و غم اور شکایتوں کی ایک فہرست پند و نصائح کی شکل میں مرتب کر دی۔ یہی بات اُن کے کردار کی بلندی، آزادیٔ فکر اور دیانت داری کو واضح کرتی ہے اور قصیدہ کی فکری اور افادی سطح کو بلند بھی بناتی ہے اور ان کا یہ دعویٰ اور انتباہ محض زبانی نہیں رہ جاتا۔

دلیر آمدی سعدیا در سخن . چو تیغے بدست است فتح بکن

اگر قصیدہ کا محاسبہ محض فنی نقطۂ نظر سے کیا جائیگا تو یہ صحیح محاسبہ نہ ہوگا کیونکہ محض فن اپنے گرد و پیش کے حالات سے الگ ہو کر صرف بازی گری رہ جاتا ہے اور جہاں جہاں قصیدہ میں یہ کوشش کی گئی ہے۔ اس بازی گری کی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

بہر حال قصائد کا یہ مختصر سا انتخاب، جو ایک درسی ضرورت کے تحت کیا گیا ہے، قصیدہ کی مکمل تصویر تو پیش نہیں کر سکتا لیکن مرتب نے جس طرح، اس انتخاب کا پیش منظر، تیار کیا ہے، وہ اُنکی محنت، معلومات اور مطالعہ کی پیاس کو ظاہر کرتا ہے اور علم و ادب کی دنیا میں سفر کرنے والے کے لئے یہ زادِ راہ بہت وقیع ہے۔

سید محمد عقیل

۱۵؍ مارچ ۱۹۷۶ء

شعبۂ اُردو، الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد۔

# حرفے چند

فارسی و عربی کی تعلیم کے زوال کے باعث ناشرین عربی و فارسی کی درسی و غیر درسی کتابیں شایع کرنے پر مشکل سے راضی ہوتے ہیں اور ایسی صورت میں طالب علموں کو بسا اوقات سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ عرصہ سے فارسی قصائد کا انتخاب جو ایم۔اے سال اوّل نیز سال دوم میں شامل نصاب ہے بڑی مشکل سے دستیاب ہو رہا تھا نیز کسی زمانہ میں ان قصائد کے جو ایڈیشن ہوئے بھی تھے وہ پریس کی غلطیوں سے بھرے ہوئے اور بالعموم کسی قسم کی شرح یا قصائد سے متعلقہ معلومات سے خالی تھے۔ اس دشواری کو محسوس کرتے ہوئے میرا خیال تھا کہ ان قصائد کو کسی طرح دوبارہ شایع کیا جائے لیکن کسی ناشر اور ایسے شخص کو آسانی سے پیدا کرنا جو ان قصائد کی ترتیب و نشر کا کام صحت کے ساتھ انجام دے سکے مشکل نظر آرہا تھا کہ شعبہ عربی و فارسی کے ایک ریسرچ اسکالر سید اختر مہدی نے جو ایک ہونہار طالب علم ہیں اور فارسی زبان و ادب سے گہرا شغف رکھتے ہیں اس کام کا بیڑا اٹھالیا اور فارسی ایم۔اے سال اوّل و دوم میں شامل قصائد کو نہایت محنت سے ترتیب دے کر قصائد کے متعلق طالب علموں کو جن معلومات کی ضرورت ہونی چاہیئے وہ بھی اس کتاب میں فراہم کردی ہیں۔ چنانچہ قارئین اکرام اس کتاب میں قصیدے کی اصل تاریخ پر نیز اس کی ساخت و خصائص پر بھی معلومات پائیں گے جس سے امید ہے کہ طالب علموں کے لئے یہ کتاب ہر اعتبار سے مفید ثابت ہو گی۔

۵ر اپریل سنہ ۱۹۷۶ء

پروفیسر سید محمد رفیق
صدر شعبہ عربی و فارسی
الہ آباد یونیورسٹی۔ الہ آباد

# عرضداشت

عربی وفارسی کی درسی کتابوں کی فراہمی روز بروز ایک اہم مسئلہ بنتی جارہی ہے بلکہ ان زبانوں کے روبزوال ہونے کے دیگر اسباب کے ساتھ ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ کتابیں جو یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہیں آسانی سے دستیاب نہیں ہوپاتیں۔
زیر نظر کتاب "سید گُل" ایک درسی ضرورت کے تحت ترتیب دی گئی ہے۔
الہ آباد یونیورسٹی کے ایم۔اے کورس میں فارسی کے جو قصائد داخل ہیں وہ بڑی مشکل سے حاصل ہوتے تھے بلکہ کسی حد تک ان کا حاصل کرنا دشوار وناممکن ہو چکا تھا کہ استاد محترم پروفیسر محمد رفیق صاحب صدر شعبہ عربی وفارسی نے حکم دیا کہ میں ان قصائد کو جمع کر کے شایع کرنے کی فکر کروں اور خدا کا شکر ہے کہ حکم استاد کی اطاعت میں یہ کام سرانجام ہوا۔

استاد پروفیسر محمد رفیق صاحب کے شکریہ کے ساتھ ہی ساتھ میں اپنے محترم استاد ڈاکٹر محمد عقیل رضوی شعبہ اردو الہ آباد یونیورسٹی کا بصد خلوص و احترام شکر گزار ہوں جنکی ادبی گھرک اور تادیب نے مجھ میں یہ ذوق پیدا کیا کہ میں تصنیف و تالیف کی طرف راغب ہوا۔ بلکہ میں جو کچھ ہوں یا اس کتاب میں جو کچھ ہے وہ سب انھیں اساتذہ کا عطیہ ہے۔ خدا ان کا سایہ ہمارے سر پر باقی رکھے۔

آخر میں استاد محترم جناب حافظ غلام مرتضیٰ صاحب، محترمہ ڈاکٹر شبیر فاطمہ صاحبہ اور ڈاکٹر جعفر رضا صاحب کا شکریہ نہ ادا کرنا ناانصافی ہوگی جو اکثر وبیشتر دعوت تصنیف وتالیف دیا کرتے ہیں۔ فقط والسلام

سید اختر مهدی شعبہ عربی وفارسی
الہ آباد یونیورسٹی۔ الہ آباد۔

۷۸۶

# قصیدہ

قصیدہ لغوی اور اصطلاحی دونوں اعتبار سے عربی زبان کا لفظ ہے اور قصد سے مشتق ہے اور صاحب المنجد کے قول کے مطابق قَصَّدَ الشَّاعِرُ سے مراد ایسے اشعار کا نظم کرنا ہے جن میں کسی کی مدح یا مذمت مقصود ہو اور اس کے لئے کلام کو طول دیا جائے۔ لفظ قصیدہ کے لغوی معنی اور اصطلاحی مفہوم کی وضاحت کے لئے صاحبِ غیاث اللغات کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

"قصیدہ در لغت بمعنی مغزِ سطبر و غلیظ و در اصطلاحِ شعرا نظمے کہ ہر دو مصرعِ بیت اول یا مصرعہائے ثانی ابیاتِ دیگر ہم قافیہ باشد و در آں مدح یا ذم، وعظ یا حکایت یا امثالِ آں بیان شود و کمتر از پنزدہ بیت نباشد۔ وجہ تسمیہ ایں است کہ در ایں معنی جلیلہ و کثیرہ مندرج می گردد کہ در مذاقِ طبع مستقیم لذید آید"۔[1]

---

[1] غیاث اللغات صفحہ ۳۹۰

بہر حال لغوی معنی کے لحاظ سے قصیدہ ایک ایسی نظم قرار پاتا ہے جو اپنے مطالب میں پُر مغز ہو اور اگر از روئے حقیقت دیکھا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ دیگر اصناف سخن میں قصیدہ کو وہی امتیازی شان اور سرفرازی حاصل ہے جو جسم میں سر کو اور سر کے اندر مغز کو۔ شاید یہی وجہ ہے کہ صاحب تجلیاتِ بدر نے میر محمد باقر آگاہ کے دیوان کے دیباچہ کے حوالے سے قصیدہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ :—

"در قصیدہ معنیٔ جلیلہ کثیرہ مندرج می گردد کہ در مذاقِ سلیم و طبع مستقیم لذیذ آید۔" [1]

علمائے ادب اور ماہرینِ فن کی اصطلاحی تعریفوں کے مختلف پہلوؤں کو دیکھنے کے بعد یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قصیدہ ایک ایسی مسلسل اور طویل نظم ہے جو دو مصرعوں کی ہوتی ہے اور جس کا آغاز مطلع سے ہوتا ہے۔ اس کے دونوں مصرعے آپس میں ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔ مطلع کے بعد کے اشعار اسی وزن اور قافیہ پہ ہوتے ہیں جو مطلع کے اندر قائم کیے گئے ہیں۔ غزل اور قصیدہ کا فرق بیان کرتے ہوئے صاحبِ تجلیاتِ بدر اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتے ہیں :—

"غزل اور قصیدے میں بس اتنا فرق ہے کہ غزل مسلسل اور طولانی نہیں ہوتی بلکہ اس کا ہر شعر دوسرے شعر سے

---

[1] تجلیاتِ بدر از ڈاکٹر بدر الحسن عابدی صفحہ ۸

اپنے خیال اور مضمون میں منفرد اور آزاد ہوتا ہے۔ مگر قصیدے کے اشعار تسلسل اور تطویل پر مبنی ہوتے ہیں یعنی اس کا ہر شعر بعد میں آنے والے ہر شعر سے مُرتبط المعنی ہوتا ہے"۔ [۱]

قصیدے کی تعداد اشعار کے سلسلہ میں ماہرین فن کی مختلف رائیں ہیں۔ قصیدہ میں کم از کم یا زیادہ سے زیادہ کتنے اشعار ہوں کہ اس پر قصیدہ کا اطلاق ہو سکے۔ میر محمد باقر آگاہ نے اپنے دیوان کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ قصیدہ کے اشعار بارہ بیتوں سے زائد ہونے چاہئیں اور پھر وہ فرماتے ہیں کہ اکیس[۱۲] سے زائد اشعار نہ ہوں۔ [۲]

مولوی اصغر علی روحی صاحب دبیر عجم نے قصیدہ کی تعداد اشعار کے سلسلہ میں یوں تحریر فرمایا ہے۔

"قصیدہ پارۂ از اشعار است کہ نیمۂ دیگر ہر شعر از آں بر قافیہ ملتزمہ باشد الا مطلع کہ بر ہر دو نیمۂ آں قافیہ داشتہ باشد و آں شعری است کہ ابتداءِ قصیدہ از انجا کنند و مصرع بودنش لازم است ...... و گفتہ اند کہ کم از پانزدہ شعر نبود و بخیال مؤلف ایں شرط نظر بہ اکثریت ایں مقدار است نہ نظر بہ کلیت آں۔ و از ایں جا است کہ بعضے از ماہرانِ فن بر سہ بیت یا پنج بیت ہم اطلاقِ قصیدہ جائز داشتہ اند"۔ [۳]

---

[۱] تجلیات بدر از ڈاکٹر بدر الحسن عابدی ص ۲ [۲] دیوان آگاہ قلمی ورق ۵۵ [۳] دبیر عجم ص ۲

بہر حال عربی قصائد کی تعداد اشعار کے سلسلہ میں تو مندرجہ بالا خیالات کا اطلاق یوں ہوتا ہے کہ حسان بن ثابت کے دیوان میں بہت سے ایسے قصیدے ہیں جن کی تعداد اشعار تین سے زیادہ نہیں اور طول طویل عربی قصائد کے سلسلہ میں کعب بن زہیر کا قصیدہ بانت سعاد کو بطور نمونہ پیش کیا جا سکتا ہے لیکن فارسی شاعری میں تین یا پانچ اشعار پر مشتمل نظم کو از روئے قصیدہ کسی نے نہیں لکھا بلکہ طولانی قصائد کی فارسی شاعری میں بھرمار ہے۔ خاقانی جیسے قصیدہ گو شعرا نے اکثر و بیشتر سو سو اشعار کے قصیدے لکھے ہیں بلکہ زیادہ تر قصائد مطلع ثانی سے پھر شروع کر دیتے ہیں۔ اشعار قصیدہ کی تعداد کے سلسلہ میں صاحب مؤید الفضلاء کی رائے البتہ قرین قیاس ہے۔

"شعر کہ از جہت کسی گفتہ باشد کذا فی التاج و در اصطلاح فضلا شعر مطول را گویند و تا بست و یک بیت را شعر نامند و چوں از آں زیادت باشد قصیدہ خوانند" [۱]

اگرچہ ہر دور میں کبھی ان اصولوں کی پابندی نہیں کی گئی۔ یعنی جس طرح غزل میں اشعار کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ شاہ نصیر اور بہادر شاہ ظفر کے یہاں غزل اندر غزل ہو کر سہ غزلے اور چو غزلے بن گئے اسی طرح قصیدہ میں بھی اشعار میں افراط و تفریط کا عمل برابر جاری رہا ہے اس لئے ایسی تعریفوں کو جو اوپر بیان کی گئیں ایک اصولی تعریف سمجھنی چاہیئے۔

تعداد اشعار کے بعد ماہرین ادب نے قصیدہ کے اجزائے ترکیبی بھی

---

[۱] - مؤید الفضلا جلد دوم از مولوی محمد لاد صفحہ ۸۶

بیان کئے ہیں ۔ اجزای ترکیبی کے لحاظ سے قصیدہ کی دو قسمیں ہیں ۔ ۱۔مشبب یا تمہیدیہ ۔ یہ وہ قصیدہ ہے جسمیں تشبیب گریز اور مدح و ذم بالترتیب بیان کئے جائیں ۔ ۲۔ مقتضب ۔ جسے اردو قصیدہ کے ماہرین نے خطابیہ کے نام سے بھی یاد کیا ہے ۔ یہ وہ قصیدہ ہے جس میں شاعر براہِ راست ممدوح کو مخاطب کر کے بغیر کسی تمہید کے مدح شروع کر دے اور عرضِ مدعا بھی کرے ۔ فارسی میں زیادہ تر مشبب قصیدے ملتے ہیں اور مشبب قصیدوں کے اجزائے ترکیبی مندرجہ ذیل ہیں ۔

۱۔ مطلع بتسمویت تشبیب ۔ تشبیب کو تمہیدی کلام کہنا چاہیے اس کا آغاز مطلع سے ہوتا ہے ۔ فارسی قصیدہ گو شعرا نے تشبیب میں فطرت کے دلفریب مناظر کی عکاسی کو بڑی حد تک جگہ دی ہے ۔ تشبیب دراصل عربی قصیدوں سے آئی جس میں شاعر شبابیات کا ذکر کرتا تھا اور ضمن میں ساقی نامہ، بہار سبھی کچھ نظم کرتا تھا ۔ عربوں نے تشبیب کا دوسرا نام نسیب بھی رکھا تھا لیکن جیسے جیسے قصیدہ اپنی تاریخ کی منزل میں آگے بڑھتا گیا ۔ تشبیب محض شبابیات کا تذکرہ نہ رہ گئی بلکہ اس میں شاعر کو یہ آزادی ملی کہ وہ شبابیات سے لے کر انسانی زندگی کے جتنے بھی موضوعات ہو سکتے ہیں سب کو نظم کر سکتا ہے چنانچہ شکایت زمانہ فلسفیانہ خیالات ، حقانی باتیں غرضکہ تقریباً ہر موضوع کو تشبیب میں سمونے کی کوشش کی گئی اور اس طرح تشبیب قصیدہ میں شاعر کو جہاں پابند کرتی ہے وہ اُسے اظہار خیال کے لئے آزادی بھی کرتی گئی لیکن استادی شاعر کی یہ تھی کہ جب وہ گریز کی طرف جائے تو اپنے خیالات کا سلسلہ اس مہارت سے گریز سے منسلک کر دے

کہ وہ مضامین اوپر سے جڑے ہوئے کو ہاں نہ معلوم ہوں بلکہ گریز، مدح سے خیالات کا سلسلہ ملا دے۔ یہاں تشبیب کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔ فرخی نے قصیدہ کی تشبیب میں ابر کی بڑی دلکش تصویر کھینچی ہے اور بڑی لطیف تشبیہوں سے کام لیا ہے۔

برآمد نیلگوں ابری ز روی نیلگوں دریا  چو رائی عاشقاں گرداں چو طبع بیدلاں شیدا
چو گرداں گشتہ سیلابی میانِ آب آسودہ  چہ گرداں گرد بادی تند گردی تیرہ اندروا
ببارید و ز ہم بگسست و گرداں گشت بر گردوں  چو پیلانِ پراگند میانِ آبگوں صحرا
تو گفتی گرد زنگار است بر آئینۂ چینی  تو گوئی موئی سنجابست بر پیروزہ گوں دیبا
بسان مرغزار سبز رنگ اندر شدہ گردش  بیک ساعت ملون کردہ روئی گنبدِ خضرا
تو گفتی آسماں دریاست از سبزی و بر رویش  بپرواز اندر آوردہ است ناگہ بچگان عنقا

متاخرین میں قاآنی تشبیب نگاری کا بادشاہ ہے۔ شاعر بہار کی قدرتی دلفریب روح اور اس کی ساری رعنائی و زیبائی کی تصویر الفاظ میں اتار کر رکھ دیتا ہے۔ اس کے قصائد کی تشبیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود شاعر بھی صبح کے دلفریب منظر سے متاثر ہو جاتا تھا۔ اور اس تاثر کو اس نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ الفاظ کے قالب میں ادا کیا ہے۔ اس بہار پرست شاعر کے قصائد کی ہر تشبیب مندرجہ بالا خصوصیات کی حامل ہے۔ اس کے مشہور قصیدہ کی تشبیب کے چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں جو اس نے علی بن موسیٰ الرضا کی مدح میں لکھا ہے۔

بگردوں تیرہ ابری بامداداں بر شد از دریا  جواہر خیز و گوہر ریز و گوہر بیز و گوہر زا

چو چشمِ اہرمن خیرہ چو روی زنگیان تیرہ | شدہ گفتی ہمہ چیرہ بمغزش علتِ سودا
شبہ گون چون شبِ غاسق گرفتہ چون دلِ عاشق | باشکِ دیدۂ وامق برنگِ طرۂ عذرا
تنش با قیر آلودہ دلش از شیر آلودہ | برون پر سرمۂ سودہ درون پر لؤلؤ لالہ
بدل گلشن بتن زنداں گہی گریاں گہی خنداں | چون در بزمِ طرب رنداں ز شورِ نشأ صہبا
چو دودی بر ہوا رفتہ چو دیوی مست و آشفتہ | زدہ بس درِ نا سفتہ ز مستی خیرہ بر خارا
شدہ خورشید نور افشاں تباری جرم او پنہاں | چو شاہِ مصر در زنداں چو ماہِ چرخ در ظلما
و یا در تیرہ چہ بیژن نہفتہ چہرۂ روشن | دیار روشن گہر بہمن شدہ در کامِ اژدرہا

۲- **گریز یا تخلص** - قصیدہ میں اجزای ترکیبی کے لحاظ سے تشبیب کے بعد گریز کی منزل آتی ہے۔ اس کو ماہرینِ ادب نے تخلیص اور رجوع کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تشبیب کے بعد بلا قصد و ارادہ دفعتاً شاعر ممدوح کی مدح کرنے لگتا ہے اور تشبیب کے موضوع کو توڑے بغیر اسے مدح کے سلسلے سے ملا دیتا ہے یعنی گریز کا شعر تشبیب اور مدح کے اشعار کے مابین رابطہ پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے لئے شاعر کو بڑی توجہ اور اہتمام خاص سے کام لینا ہوتا ہے اور گریز کے شعر میں ہی شاعر اپنے فکر کی جولانی اور قوتِ بیان کا مظاہرہ کرتا ہے اور گریز ہی کی خوبی سے قصیدہ میں ایک خاص لطف پیدا ہو جاتا ہے۔ گریز کا معیار یہ ہے کہ وہ جس قدر مختصر ہو اتنا ہی اچھا ہے۔ اگرچہ شعرائے مابعد نے اس پر سختی سے پابندی نہیں کی اور بعض شعرائے یہاں گریز بھی لمبی ملتی ہے لیکن اچھی گریز کا معیار اس کا اختصار ہی ہے۔ قاآنی نے حضرت علی بن موسی الرضا کی شان میں لکھے گئے قصیدہ میں تشبیب کے بعد مدح کی طرف

اس طرح گریز کیا ہے کہ پڑھنے والے کو اس کا احساس تک نہیں ہو پاتا۔

تشبیب :۔

چو در ہاموں چو در بستاں صف اندر صف زدہ ریحاں — زیکسو لالۂ نعماں زیکسو نرگس شہلا
تو گوئی اہلِ یک کشور برہنہ پا برہنہ سر — چماں در خشکسال اندر بہاموں بہرِ استسقا

گریز :۔

بہ چمن از فرّ فروردیں چناں تازاں بدشت چیں — کہ طوس از فرّ شاہ دیں برایں نہ گنبدِ خضرا

مدح :۔

ہزبر بیشۂ امکاں نہنگِ لجۂ ایماں — ولی ایزد منّان علیِّ عالیِ اعلاء
امامِ ثامن و ضامن حریمش چوں حرم آمن — زمیں از حزم او ساکن سپہر از عزم او پویا

۳۔ **مدح یا ذم** ۔ ممدوح کی مدح قصیدہ کا اصل موضوع ہے۔ اس کے ذریعہ شاعر اپنے ممدوح سے طلب انعام و اکرام کرتا ہے اور ممدوح کے اوصاف بیان کرنے میں جس قدر قوّت فکر کا استعمال کر سکتا ہے کسی طرح کی کسر اٹھا نہیں رکھتا اور ڈھونڈ ڈھونڈھ کر اپنے ممدوح میں ایسے اوصاف دکھاتا ہے جو دوسروں میں نہیں ملتے۔ فارسی قصائد میں ممدوح کی مدح کا خاص خیال رکھا گیا ہے اور شعرا نے اپنے زورِ طبع کا مظاہر بھی خوب کیا ہے۔ اگرچہ مدح کا بھی ایک معیار ہے۔ مدح ممدوح کے شایانِ شان ہونی چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ ممدوح اس کا قطعی اہل نہ ہو کیونکہ ایسی مدح بجائے مدح کے ہجو ملیح ہو جاتی ہے۔ نیز اس بات کا بھی خیال کرنا چاہیئے کہ اگر قصیدہ کسی بزرگ دین کی شان میں لکھا گیا ہے تو اس کی مدح میں ایسی باتیں نہ پیدا ہو جائیں کہ وہ

ایک عامی اور دنیادار آدمی معلوم ہونے لگے اور اس کے برعکس کسی بادشاہ یا دنیاوی ہستی کی ایسی تعریف نہ کی جائے کہ وہ اولیا اللہ یا پیغمبروں کے مرتبہ پر پہونچ جائے۔ حالی نے مقدمۂ شعر و شاعری میں مدح کے سلسلہ میں ایک بڑی دلچسپ بات لکھی ہے کہ مدح کا معیار یہ بھی ہونا چاہیئے کہ ایسی تعریف یا ہجو کی جائے کہ اگر ممدوح یا جس کی ہجو لکھی گئی ہے ازالۂ حیثیت عرفی کے سلسلہ میں مقدمہ دائر کرے تو اس کا کوئی جرم ثابت نہ ہو سکے۔ قاآنی کے قصیدے کے چند مدحیہ اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔ جس میں شاعر نے ممدوح کے دیگر کمالات کی مدح سرائی کی ہے۔

ملک مستِ جمالِ او فلک محو کمالِ او — زدریائے نوالِ او جہانی لجہ خضرا

زماں را عدلِ او زیور جہاں را ذاتِ او مفخر — زماں را او زماں پیرو جہاں را او جہاں پیرا

زقدرش عرش مقداری زصنعش خاک آثاری — بباغ شوکتش خاری ریاض جنت الماویٰ

امل را جود او مرجع اجل را قہر او مصنع — فلک را قدر او مرجع ملک را صدر او ملجاء

رضائی او رضائی حق قضائی او قضائی حق — دلش از ماسوای حق گزیدہ عزلت عنقا

۴۔ **دعا اور حسن طلب** ۔ مدح کے بعد شاعر ممدوح کے حق میں دعائیہ کلمات نظم کرتا ہے اور پھر اس کے بعد اپنا مدعا بھی بیان کرتا ہے۔ اس فن میں قصیدہ نگاروں نے خوب خوب کمالات دکھائے ہیں۔ عرفی کہتا ہے کہ:۔

زحالِ خویش کنوں چند بیت خواہم گفت
کہ شاعراں را آں ہست سنتِ مسنون

حسن طلب کے سلسلہ میں صاحب شمع انجمن کی رائے سے متفق ہونا کسی حد تک لازمی ہے۔

"حسن طلب کہ شاعر در استحصال مقصد از ممدوح نوعے از سحر بیانی و افسون کاری بہ عمل آرد و بہ وجہیکہ بخیل را کریم و ممسک را سخی گرداند" [۱]

**۵۔ مقطع یا خاتمہ** ۔ دُعا کے بعد قصیدہ میں خاتمہ کی منزل آتی ہے۔ جہاں سے شاعر اپنا سلسلۂ کلام ختم کرتا ہے اور یہی قصیدہ کا اختتام بھی ہے۔ کبھی کبھی شاعر آخری اشعار میں اپنا تخلّص بھی نظم کرتا ہے اگرچہ قصیدہ کے لئے یہ لازمی نہیں کہ آخری شعر میں ہی تخلّص نظم کیا جائے جیسا کہ غزل میں تقریباً لازمی ہے بلکہ قصیدہ میں شاعر اپنا تخلّص چار یا پانچ اشعار سے پہلے بھی نظم کر سکتا ہے اور آخر میں بھی۔ اکثر فارسی قصیدہ نگاروں نے دُعا سے پہلے کے اشعار میں بھی تخلّص نظم کیا ہے۔ معیار مقطع کے سلسلے میں صاحب تجلّیات بدر کی مندرجہ ذیل رائے ہے۔

"مقطع میں تخلّص کی معنوی حیثیت سے فائدہ اٹھانا اور صفت ایہام کے ساتھ اس کو نظم کرنا مقطع کو دلکش بنا دیتا ہے" [۲]

موضوع زیر بحث کی اور زیادہ وضاحت کے لئے ذیل میں فارسی قصیدہ نگاری کی ایک مختصر تاریخ پیش کی جاتی ہے۔

---

۱۔ شمع انجمن ص ۲۲ ۲۔ تجلّیات بدر از ڈاکٹر بدر الحسن عابدی ص ۴۶

# فارسی قصیدہ نگاری کی اجمالی تاریخ

ایران میں جس زمانے میں شاعری کا آغاز ہوا عرب کی شاعری مدحیہ قصائد سے بخوبی آشنا تھی ۔ چنانچہ شعرائے ایران نے انھیں کی تقلید کرتے ہوئے فارسی زبان میں قصیدے لکھنے شروع کئے اس کے علاوہ اس کا ایک دوسرا اہم سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ شعرائے ایران کو دیگر اصناف سخن کی بہ نسبت صلہ و انعام کی امید صرف قصیدہ سے ہو سکتی تھی اور دربار شاہی تک پہونچنے کا واحد ذریعہ صرف قصیدہ تھا لہذا فارسی شاعری کی ابتدا قصیدہ گوئی سے ہوتی ہے ۔

فارسی کے قدیم ترین تذکروں کا مطالعہ کرنے کے بعد عہد اسلامی میں فارسی قصیدہ نگاری کا سلسلہ دوسری صدی ہجری تک پہونچ جاتا ہے ۔ اس سلسلہ میں صاحب تذکرۂ لباب الالباب[۱] عوفی یزدی نے عباس مروزی کا نام لیا ہے اور ماموں رشید کی مدح میں لکھے گئے قصیدہ کو اس سے منسوب کیا ہے جس میں شاعر نے اپنی قصیدہ گوئی کے بارے

---

۱۔ تذکرہ لباب الالباب از عوفی یزدی طبع ایڈورڈ براؤن ص۲۱ جلد اوّل

میں فخریہ لکھا ہے کہ ؎

کس بدیں منوال پیش از من بریں شعری نگفت
مر زبانِ فارسی راہست تا ایں نوع بیں

لیکن عباس مروزی کے ان مدحیہ اشعار کی سادگی اور برجستگی کی وجہ سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یا تو یہ اشعار عباس مروزی کے نہیں ہیں اور اگر ہیں بھی تو بقول محمود شیرانی[1] ان اشعار پر متاخرین کی اصلاح کا رنگ غالب ہے اور بقول عبدالوہاب قزوینی

"علاوہ بر آنکہ آثار وضع و تجدد بر وجنات ایں اشعار لایح تر از آنست کہ ہیچکس را کہ بہرہ از ذوق سلیم ادبی باشد درآں شکی عارض تواند شد"[2]

غرضکہ قرون وسطی کے تذکرہ نگاروں کے اجماعِ عام کے باوجود یہ بات کسی حد تک پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ یہ اشعار عباس مروزی کے نہیں ہیں اور ناقدین ادب نے اس کے بہت سے داخلی وظاہری ثبوت پیش کئے ہیں۔

عباس مروزی کے علاوہ کچھ لوگوں نے اولین فارسی شعرا میں حکیم ابوحفص بن احوص کا نام اور اس کی مندرجہ ذیل بیت کو بطور حوالہ

---

[1] تنقید شعر العجم از محمود شیرانی ص ۳۱

[2] بست مقالہ قزوینی ص ۳۴

پیش کیا ہے ؎

آہوی کوہی در دشت چگونہ دودا
یار ندارد بی یار چگونہ رودا

لیکن بقول صاحب المعجم فی معاییر اشعار العجم یہ تیسری صدی ہجری تک بقید حیات تھا تو کیسے ممکن ہے کہ اسے اولین شاعر فارسی تسلیم کر لیا جائے کیونکہ رودکی (متوفی ۳۲۹ ہجری) اس وقت زندہ تھا جب کہ رودکی سے پہلے بھی بہت سے فارسی شاعر گزرے ہیں۔

غرضکہ کتب تاریخ فارسی ادب کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی دور میں فارسی شاعری یا قصیدہ نگاری کی ابتدا عہد سامانیہ سے ہوتی ہے اور رودکی جیسا با عظمت صاحب دیوان شاعر عہد سامانیہ کا ہی عطیہ ہے۔ یہ وہ دور ہے جب امرا و خلفا کی شان میں ثنا گستری کا باقاعدہ رواج ہو چکا تھا اور عربی قصیدہ نگاری اپنی روایتی پابندیوں سے آزاد ہو چکی تھی۔ قدیم اسالیب ترک کئے جا چکے تھے اور اس زمانے کے شہری ماحول سے موضوعات و خیالات کا انتخاب کیا جاتا تھا اور قصیدہ میں حقیقت نگاری، جو عربی قصائد کی ایک اہم خصوصیت ہے وہ کم و بیش باقی نہ رہ گئی تھی۔

رودکی سے پہلے اور اس کے ہمعصروں میں بہت سے قادر الکلام شاعر گزرے ہیں عوفی یزدی نے اپنے تذکرہ لباب الالباب میں ایسے ستائیس شاعروں کے نام گنائے ہیں جو عہد سامانیہ میں رودکی سے پہلے

اور اس کے بعد گزرے ہیں اور مشہور شعرا میں ابو شکور بلخی کا نام لکھا ہے۔ یہ شاعر سامانی دور کے وسط میں گزرا ہے اور نوح بن نصر کے دربار سے متعلق تھا۔ بہرصورت عہد سامانی میں جو شہرت اور مقبولیت رودکی کو حاصل ہوئی دوسرے شعراء کو نہیں اور اکثر تذکرہ نگاروں کی اتفاق رائے ہے کہ رودکی نے سب سے پہلے دیوان مرتب کیا۔ محمود شیرانی تنقید شعر العجم میں رودکی کو فارسی قصیدہ نگاری کا موجد قرار دیتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔

"فارسی میں قصیدہ نگاری جو بارگاہ سلاطین میں شاعر کی رسائی کا بدیہی نتیجہ ہے رودکی سے شروع ہوتی ہے اور اسی بنیاد پر رودکی کو آدم الشعرا کہا جاتا ہے[1][2]۔

علامہ شبلی نے رودکی کی قصیدہ نگاری سے بحث کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا ہے۔

"قصیدہ کا جو طریقہ رودکی نے قائم کیا وہ آج تک قائم ہے یعنی ابتدا میں تشبیب یا بہاریہ وغیرہ پھر بادشاہ کی مدح کی طرف گریز، جود و سخا، عدل و انصاف شجاعت و دلیری کا ذکر پھر دعائیہ[3]

رودکی قصیدہ کا استاد تھا۔ اُس کے قصائد میں بلا کا تسلسل پایا

---

[1] ۔ محمود شیرانی نے غالباً فارسی شاعری کے متعلق یہ بات کہی ہے۔

[2] ۔ تنقید شعر العجم از محمود شیرانی ص ۱۳ [3] شعر العجم از شبلی نعمانی ص جلد اول

جاتا ہے۔ اس کے قصائد میں مبالغہ اور پیچیدہ خیالات کا نام و نشان نہیں۔ اس کے قصائد کی خاص اور اہم خصوصیت سادگی اور ہر حال میں متانت اور سنجیدگی ہے۔ مبالغہ و غلو نیز ضائع لفظی و معنوی جیسی مقبول عام راہوں کا اس نے قطعی اتباع نہیں کیا۔ رودگی کا مشہور قصیدہ جو اس نے امیر بو جعفر احمد صفاری کی مدح میں لکھا ہے مندرجہ ذیل مطلع سے شروع ہوتا ہے۔

مادری را بکرد باید قربان
بچۂ او را گرفت و کرد بزندان

یہ قصیدہ اس وقت لکھا جب کہ بادشاہ نصر بن احمد سامانی نے اسے اپنی مجلس میں یاد کیا تھا۔ یہ قصیدہ سبک خراسانی کی طرح سادہ اور محکم ہے اور ایسی فرضی اور مصنوعی مدح سرائی جو رودکی کے بعد قصیدہ کا جزو خاص بن گئی اس قصیدہ میں نظر نہیں آتی۔ اس کے علاوہ اس کے دیوان میں ایک اور اہم قصیدہ ہے جس میں اس نے حالت جوانی اور ضعف پیری کا نقشہ کھینچا ہے۔ قصیدہ کا آغاز یوں کرتا ہے۔

مرا بسود فرو ریخت ہر چہ دنداں بود
نبود دنداں لا بل چراغ تاباں بود
سپید سیم زدہ بود و دُرّ و مرجاں بود
ستارۂ سحری بود و قطرہ باراں بود

رودکی کے قصائد میں اس وقت کچھ اور زور پیدا ہو جاتا تھا

جب وہ چنگ بجاکر اور گاکر بادشاہ کے سامنے قصیدہ پیش کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں اس کے ایک قصیدہ[1] کا یہ مطلع زبان زد خاص عام ہے جس کے اثر سے بادشاہ نصر بن احمد سامانی سفر کو ترک کر کے بخارا واپس آگیا تھا۔ مطلع

بوی جوی مولیاں آید ہمی
یاد یارِ مہرباں آید ہمی

رودکی کے بعد عہد سامانی کے دوسرے شاعروں میں دقیقی طوسی کا نام قابلِ ذکر ہے جس نے فارسی قصیدہ میں ایک خاص روش کی ایجاد کی۔ اسکے قصائد میں پختگی اور صفائی پائی جاتی ہے۔ اس نے اپنے قصائد میں ممدوح کی مدح کے علاوہ پند و نصیحت کو بھی جگہ دی ہے۔ وہ صرف ممدوح کے اندر پائی جانے والی صفات کی مدح نہیں کرتا بلکہ دیگر صفات جو ممدوح میں نہیں پائی جاتیں ان کے حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ مندرجہ ذیل قصیدہ میں اس نے اپنے ممدوح کو دلیری، سخاوت اور خرد جیسی صفات کو حاصل کرنے کی صلاح دی ہے۔

زدو چیز کردند مر مملکت را   یکے پرنیانی یکی زعفرانی

---

[1] ترجمۂ تاریخ ادبیات ایران ص۲۶ میں رضا زادہ شفق نے رودکی کے ان اشعار کو قصیدہ کہا ہے اور پہلے شعر کو لفظ مطلع سے یاد کیا ہے حالانکہ بعد کی تحقیق سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ رودکی کے ان اشعار پر بجائے قصیدہ کے قطعہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ راقم الحروف

یکی زر نام ملک بر نوشته — دگر آهن آب دادهٔ یمانی
کرا بویهٔ وصلت ملک خیزد — یکی جنبشی بایدش آسمانی
زبانی سخن گوئی و دستی گشاده — ولی همش کینه همش مهربانی
که ملکت شکاریست کو را نگیرد — عقاب پرنده نه شیر ژیانی
دو چیز است کو را به بند اندر آرد — یکی تیغ هندی دگر زر کانی
بشمشیر باید گرفتن مر او را — بدینار بستنش پای ار توانی
کرا بخت و شمشیر و دینار باشد — و بالا تن تهم و نسبت کیانی
خرد باید آنجا و جود و شجاعت — فلک کی دهد مملکت رایگانی

اس کے علاوہ امیر ابو سعد مظفر کی مدح میں اس کا مندرجہ ذیل قصیدہ بھی سادگیٔ کلام اور حسنِ بیان کے لحاظ سے اچھے قصیدوں میں شمار ہوتا ہے۔ رودکی کی طرح اس کا یہ قصیدہ تکلف، آورد اور مبالغہ آرائی سے منزلوں دور ہے۔

پری چہرہ بتے عیار دلبر
نگارے سرو قد ماہ منظر

رودکی اور دقیقی طوسی جیسے بلند ترین شاعروں کے علاوہ سامانی دور میں کسائی مروزی بھی ایک ممتاز اور بلند ترین قصیدہ گو شاعر تھا اور بقول رضا زادہ شفق "

"کسائی پہلا فارسی شاعر ہے جس نے دینی قصائد اور حکیمانہ اشعار لکھے اور اخلاقی پند و نصائح کو نظم کا

جامہ پہنایا"۔[1]

مذہبی قصائد کے علاوہ اس نے بہت سے ایسے قصیدے لکھے ہیں جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ایسے قصائد میں وہ قصیدہ بھی ہے جو اُس نے خود اپنے حال پر لکھا ہے۔ شاعر نے اس قصیدہ میں دنیا کی بے ثباتی و فنا پذیری اور ایام جوانی کی برق رفتاری اور ضعفِ پیری پر اظہارِ تاسف کیا ہے اس کے قصیدہ کے کچھ اشعار یہ ہیں۔

بہ سی صد و چہل و یک رسید نوبتِ حال ‏ ‏ ‏ ‏ چہار شنبہ و سہ روز باقی از شوال

بیامدم بہ جہاں تا چہ گویم و چہ کنم ‏ ‏ ‏ ‏ سرود گویم و شادی کنم بہ نعمت و مال

ستور وار بدینساں گذاشتم ہمہ عمر ‏ ‏ ‏ ‏ کہ بردہ گشتہ فرزندم و اسیر عیال

بکف چہ دارم ازایں پنجۂ شمردہ تمام ‏ ‏ ‏ ‏ شمار نامۂ با صد ہزار گونہ وبال

من ایں شمار بآخر چگونہ وصل کنم ‏ ‏ ‏ ‏ کہ ابتداش دروغست و انتہاش خجال

درم خریدۂ آزم ستم رسیدۂ حرص ‏ ‏ ‏ ‏ نشانۂ حدثانم شکارِ ذُلِ سوال

دریغ فرِ جوانی دریغ عمرِ لطیف ‏ ‏ ‏ ‏ دریغ صورتِ نیکو دریغ حسن و جمال

کجا شد آں ہمہ خوبی کجا شد آں ہمہ عشق ‏ ‏ ‏ ‏ کجا شد آں ہمہ تیر و کجا شد آں ہمہ حال

سرم بگونۂ شیر است و دل بگونہ قیر ‏ ‏ ‏ ‏ رُخم بگونہ نیلست و تن بگونہ نال

نہیب مرگ بلرزاندم ہمی شب و روز ‏ ‏ ‏ ‏ چو کودکان بد آموز را نہیب دوال

گذشتیم و گذشتیم و بودنی ہمہ بود۔ ‏ ‏ ‏ ‏ شدیم و شد سخنِ ما فسانۂ اطفال

---

[1] تاریخ ادبیات ایران از رضازادہ شفق ص۵۵۔

ایا کسالی پنجاه بر تو پنجه کرد ارد — یکند بال ترا زخم پنجهٔ و چنگال
تو گر بمال و امل بیش ازایں نداری میل — جدا شو از امل و گوش وقت خویش بمال

غرضکہ مجموعی حیثیت سے سامانی دور کی قصیدہ نگاری فطری شاعری سے قریب رہی ہے۔ شعرا اپنی بات سادہ مگر پر اثر انداز میں کہتے تھے اور مدح کرتے وقت کم و بیش وہی باتیں کہتے تھے جو ممدوح میں پائی جاتیں یا جن کی ایک اچھے حکمراں سے توقع کی جا سکتی ہو۔

سامانیوں کے بعد ادبیات ایران کی تاریخ میں دور غزنوی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس دور میں فارسی شاعری میں پختگی آگئی۔ مدحیہ قصائد نے رواج عام کی منزلیں اسی دور میں طے کیں۔ اس دور کے قصیدوں میں تاریخی واقعات اور عصری حالات بدرجہ کثرت پائے جاتے ہیں بلکہ اس دور کے قصائد کو تاریخی واقعات کا آئینہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اس دور کے مشہور قصیدہ نگاروں میں عنصری عسجدی، فرخی اور منوچہری کا شمار ہوتا ہے۔

عنصری کے قصائد میں زیادہ تر ایسے قصیدہ ہیں جو اس نے سلطان محمود غزنوی اس کے بھائی امیر نصر اس کے بیٹے سلطان مسعود اور اس کے بھائی امیر یوسف کی مدح میں لکھے ہیں اور مدح کے ضمن میں انکی فتوحات اور دیگر کارناموں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ عنصری نے اپنے قصائد میں دقیق معانی کو بہترین پیرایہ اور محکم بندش میں ادا کیا ہے۔ عنصری کے اس قصیدہ میں جو

آیا شنیدہ ہنرہائے خسرواں بخبر — بیا ز خسرو مشرق عیاں ببیں تو ہنر

سے شروع ہوتا ہے۔ محمود غزنوی کی علم دوستی، ادب نوازی، شعرا پروری کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس کی لڑائیوں کی عکاسی کی گئی ہے۔ قصیدہ کے پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ محمود کے دور میں دو مخالف فوجیں کس طرح معرکہ آرائی کرتی تھیں اور دوران جنگ کس کس طرح کے ہتھیار کا استعمال ہوتا تھا۔

عنصری نے قصیدہ میں سوال وجواب کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا۔ اس کے دیوان میں اکثر و بیشتر ایسے قصائد ملتے ہیں جس میں اُس نے قصیدہ کے تمام لوازمات کو پورا کرتے ہوئے ممدوح کی مدح کی ہے۔ قصیدہ میں تشبیب بھی ہے گریز بھی، مدح بھی ہے اور دُعا بھی لیکن اس نے چاروں اجزاء کو سوال وجواب کے انداز میں پورا کرنے کی کوشش کی ہے اور کسی حد تک کامیاب بھی رہا ہے۔ قصیدہ کا آغاز

ہر سوالے کزاں لگی سیراب
دوش کردم مرا بداد جواب

سے ہوتا ہے۔ تشبیب میں عاشق محبوب سے مختلف انداز میں سوال کرتا ہے کہ تمھیں یہ حُسن بے پناہ کہاں سے حاصل ہوا؟ محبوب اس کے ہر سوال کا جواب بڑے پر لطف انداز میں ادا کرتا ہے۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ جہاں سے تمھیں پریشانیاں ملیں اور ممدوح کی مدح کی جانب مندرجہ ذیل اشعار کے سہارے گریز یوں کرتا ہے :۔

گفت از جیست روے راحت من

گفت ہردم زرد ہے خسرو شاب
گفتم آں میر نصر ناصر دین
گفت آں مالکِ قلوب و رقاب

قصیدہ کا خاتمہ دعائیہ انداز میں اس طرح کرتا ہے

گفتم اورا چہ خواہم از ایزد
گفت عمر دراز و دولتِ شاب

سوال و جواب کے طرز کا دوسرا قصیدہ بھی بہت مشہور ہے۔ اس قصیدے میں عنصری نے زاغ و باز کا مناظرہ بڑی خوش اسلوبی و مہارت سے کیا ہے۔ صاحبِ سخن و سخنوراں نے عنصری کے اس قصیدہ پہ اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے۔

"مناظرہ عبارت از آنست کہ دو تن در باب دو موضوع از روئے نظر و استدلال بحث کنند و ہر یک محاسنِ موضوع کہ برگزیدہ و معائبِ موضوع مقابل را برشمارد و بر اثر ایں بحث و نظر فضیلتِ مطلوبِ خویش را ثابت و خصم را از جواب عاجز کند ..... [1]

قصیدہ کے چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں جن سے ناظرین خود بھی اندازہ لگا سکیں کہ عنصری اپنے اس طرز میں کہاں تک کامیاب رہا ہے۔

---

[1] سخن و سخنوران از بدیع الزماں خراسانی۔ ص ۸۹

میانِ زاغِ سیاه و میانِ بازِ سفید — شنیده ام ز حکیمے حکایتِ دلبر
به باز گفت همی زاغ هر دو یارانیم — که هر دو مرغیم از جنس و اصل یک دیگر
جواب داد که مرغیم جُمله بجائے هنر — میانِ طبعِ من و تو میانه است نگر
خورند از آنکه بماند ز من ملوکِ زمین — تو از پلیدی و مردار پر کنی ژاغر
ز راحتست مرا رنگ و رنگِ تو ز عذاب — که من بفالِ ز معروفم و تو از منکر

عنصری کے ہمعصروں اور محمود غزنوی کے دربار کے مشہور ترین شاعروں میں ایک عسجدی بھی تھا۔ اس نے متعدد مدحیہ قصائد لکھے ہیں۔ اس کے قصیدوں میں اس دور کی ساری خوبیاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اس کے مندرجہ ذیل قصیدہ کی بڑی تعریف کی جسے اس نے فتح سومناتھ کے متعلق لکھا ہے۔

تا شاه خسروان سفر سومنات کرد — کردار خویش را علمِ معجزات کرد
آثار روشنِ ملکان گذشته را — نزدیک بخردان همه از مشکلات کرد
محمود شهریار کریم آنکه ملک را — بنیاد بر محامد و بر مکرمات کرد
شطرنجِ ملک باخت ملک با هزار شاه — هر شاه را بلعبِ دگر شاه مات کرد
شاها تو از سکندر بیشی از آں جهت — کاو هر سفر که کرد بدیگر جهات کرد
عین الرضاء ایزد جوئی تو در سفر — باز او سفر بجستن عین الحیات کرد

عسجدی کے علاوہ غزنوی دور کے مشہور قصیدہ نگاروں میں غضائری رازی کا بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔ یہ خصوصاً بہاء الدولہ دیلمی کا مداح تھا اور اکثر تذکرہ نویسوں نے اسے دیلمی دربار کا درباری شاعر بھی لکھا

ہے۔ اس نے اپنے قصائد میں بڑی مبالغہ پروری اور تکلف سے کام لیا ہے۔ سلطان محمود کی مدح میں اس کا ایک قصیدہ بڑی شہرت اور مقبولیت خاص کا حامل ہے جس کا مطلع یہ ہے

اگر کمال بجاہ اندر است جاہ بمال
مرا بہ ببیں کہ ببینی کمال را بکمال

عسجدی اور عنصری کے بعد فارسی قصیدہ نگاری میں فرخی کا نام آتا ہے۔ یہ اپنے وقت کا بہت بڑا قصیدہ گو تھا اور یہی سبب تھا کہ محمود غزنوی کے دربار میں اُسے بہت جلد بلند مقام مل گیا اور اس نے دولت کثیر حاصل کی سبھی تذکرہ نگار متفق ہیں کہ فرخی محمود غزنوی کا مقرب بارگاہ تھا اور اس نے بڑے بڑے انعامات حاصل کئے ہیں اور شاید اس کے تقرّب اور مقبولیت کا سب سے اہم راز اس کے وہ قصائد جو اس نے سلطان، اس کے بیٹے اور بھائیوں کی مدح میں لکھے ہیں۔

فرخی کے قصیدوں کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے قصیدوں کی ابتدا پر جوش اشعار سے ہوتی ہے جو زیادہ تر عشقیہ رنگ پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس کے قصائد کی تشبیب میں فطری مناظر، بہار کی زیبائی اور معشوق کی بے پناہ مدح سرائی دکھائی دیتی ہے اور یہی سبب ہے کہ تشبیب نگاری میں فرخی اپنے معاصرین میں ممتاز و نمایاں نظر آتا ہے۔ سلطان محمود کی مدح میں لکھے گئے قصیدہ کی تشبیب کے چند اشعار بطور نمونہ مندرج کئے جاتے ہیں جس میں اس نے بہار کا منظر، نسیم گل،

نغمۂ قمری و بلبل کو بڑے لطیف اور دلنشیں پیرایہ میں ادا کیا ہے۔

بدیں خرمی جہاں بدیں تازگی بہار — بدیں روشنی شراب بدیں نیکوی نگار
یکی چوں بہشت عدن یکی چوں ہوای دوست — یکی چوں گلاب بلخ یکی چوں بت بہار
زمیں از سرشک ابر ہوا از نسیم گل — درخت از جمال برگ سرکہ ز لالہ زار
یکی چوں پرند سبز یکی چوں عبیر خوش — یکی چوں عروس خوب یکی چوں رخان یار

فرخی نے اپنے قصائد میں واقعہ نگاری کو بڑی حد تک جگہ دی ہے اور وہ اکثر مدحیہ قصیدوں میں سلطان کی فتوحات اور جنگی کارناموں کا تفصیلی ذکر کرتا ہے۔ ان قصیدوں کے مطالعہ کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اسکا قلم ایک مورخ کا قلم ہے۔ غرضکہ اس کے قصاید سے تاریخی مقامات کے ناموں اور متعدد واقعات کی تصدیق ہوتی ہے۔ سومنات کی فتح پر فرخی نے جو قصیدہ لکھا ہے اس میں جنگ کا نقشہ تاریخی شواہد کا حامل ہے۔ قصیدہ کا مطلع یہ ہے

فسانہ گشت و کہن شد حدیث اسکندر
سخن نو آر کہ نو را حلاوتیست دگر

مندرجہ بالا قصیدہ کے علاوہ ذیل میں ان قصیدوں کے مطلعے درج کئے جاتے ہیں جن سے محمود کے دور کے تاریخی واقعات پر روشنی پڑتی ہے۔

بہار تازہ دمید اے بروی رشک بہار — بیاور و زمرا خوش کن ز نبیذ بیار

---

بخندد ہمی باغ چوں روی دلبر — ببوید ہمی خاک چوں مشک اذفر

فرخی کے مشہور ترین قصیدوں میں اس کا وہ معرکہ آرا رثائیہ قصیدہ بھی ہے جو اس نے محمود غزنوی کی وفات پر اس کی مدح میں لکھا ہے۔ قصیدہ کا مطلع یہ ہے ؎

شہر غزنین نہ ہماں است کہ من دیدم پار
چہ فتاد است کہ امسال دگرگوں شد کار

فرخی کی مندرجہ بالا خصوصیات کا اعتراف رضا زادہ شفق نے ذیل کے الفاظ میں کیا ہے۔

" فرخی ایران کے قصید گو شاعروں میں درجہ اوّل کا شاعر ہے۔ اس کا کلام پختہ، اس کی طبیعت رواں۔ اس کے قصیدے سادہ اور سلیس ہیں۔ اس کے قصائد میں الجھاؤ، دقیق فلسفیانہ مضامین اور علمی مطالب نہیں پائے جاتے۔ اس کے کلام میں حسنِ وزن، ترنّم، ہم آہنگی اور بندش کی چستی خوب ہے۔ اس کے اشعار ہر قسم کی تعقید اور برائی سے پاک ہیں"۔ [1]

فرخی کے بعد فارسی کے قصیدہ نگاروں میں منوچہری کا زمانہ آتا ہے۔ منوچہری کے قصائد پر عربی شاعری، عرب ماحول اور عربی رسم و رواج کے اثرات واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں یہاں تک کہ اس کے دیوان کا بیشتر حصہ عربی بحور و قوافی میں لکھے گئے قصائد سے مملو ہے۔ منوچہری کے

---

[1] تاریخ ادبیات ایران از رضا زادہ شفق ص ۹۵

قصائد پر مشہور عرب شاعر عمرو بن کلثوم اور امراء القیس کے قصیدوں کا رنگ غالب ہے۔ منظر نگاری میں اسے کمال حاصل تھا۔ اس کے قصائد کی تشبیب میں صحرا، بادل، سبزہ، سیلاب وغیرہ کے مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ علاوہ ازایں ممدوح کی مدح کے ساتھ ساتھ اس کی سواری، تلوار اور دیگر متعلق چیزوں کا منوچہری نے اپنے قصائد میں ایک الگ باب قائم کیا ہے جو اس کے بعد کے قصیدہ گو شعرائے کے لئے مشعل راہ بنے۔

منوچہری کے بعد فارسی قصیدہ نگاری کی تاریخ میں حکیم سنائی اور ناصر خسرو کا دور آتا ہے۔ حکیم سنائی کی شہرت و مقبولیت کا باعث اس کی مثنویاں اور خاص طور پر حدیقہ ہے لیکن اس کے قصائد بھی بڑے اہم اور پُر مغز ہیں۔ ویسے اس کے قصیدوں کا زیادہ تر حصہ مذہبی رہنماؤں کی مدح پر منحصر ہے۔

حکیم سنائی کے بعد سلجوقی دور کے قصیدہ نگار شعرا میں ناصر خسرو کا دور آتا ہے۔ یوں تو مذہبی قصائد کی بنیاد بقول صاحب شعر و ادب[۱] فارسی کسائی مروزی نے رکھی لیکن ناصر خسرو وہ پہلا قصیدہ گو شاعر ہے جس نے قصیدے کو مذہب اور عقیدے سے روشناس کرانے کی ایک مکمل تحریک چلائی اور بڑی حد تک اس میں کامیابی بھی حاصل کی ہے۔ اس کے بیشتر قصائد کا موضوع حمد و نعت اور اولیاء دین کی

---

[۱] شعر و ادب فارسی از ہارون موتمن ص ۲۲

منقبت ہے جس میں اس نے بحث و استدلال کے ذریعہ اپنے عقائد کو صحیح ثابت کیا ہے۔ پند و موعظت اور اخلاق و تصوف اس کے قصیدے کے دوسرے اہم موضوع ہیں اور بے ثباتی دنیا، معنویت کی دعوت اور فقر و قناعت اس کے قصائد میں نمایاں ہیں۔ قصائد کے سہارے سرور کائنات جناب رسولؐ اکرم اور ان کی اولاد سے اپنی وابستگی کا اظہار یہی اسکا مقصدِ حیات ہیں جس کا اظہار اس نے خود کیا ہے ؎

مرا گر مُلکِ، ماموں نیست شاید
کہ افزونم ز ماموں است مادوں
بہ آل مصطفےٰ در عالم نطق
فریدونم فریدونم فریدوں

ناصر خسرو نے دیگر شعرا کی بہ نسبت ممدوح کی شان و شوکت اور جاہ و جلال کو بیان کرنے میں بڑی ہنرمندی کا ثبوت دیا ہے۔ اس نے دربار کی تمام خوبیوں کو تصنع آمیز اور ناپائدار ثابت کیا ہے اور ممدوح کے عیش و آرام اور درازئ عمر کی دعا کے بجائے اسے از روئے مذہب طرح طرح کی نصیحتیں کی ہیں۔ وہ اپنے ممدوح کو بغیر کسی خوف و خطر کے علانیہ طور پر فکرِ آخرت کی دعوت دیتا ہے مثلاً اپنے ایک قصیدے میں لکھتا ہے۔

ایں جہاں را فریب بسیار است
بہ فروشد بہ نرخ سوسن سیر

مخور از خوانِ او نہ پختہ نہ خام
مخور از دستِ او خمیر و فطیر
راست باش و خدائی را بشناس
کہ جز این نیست دینِ بے تغیر

ناصر خسرو کے بعد درحقیقت فارسی قصیدہ نگاری کا دورِ زرّیں آتا ہے اور نظامی، ادیب صابر، رشید الدین وطواط و مُعزّی، ابوالفرَج رونی عَمعَق بخارائی کے علاوہ اساتذۂ فن قصیدہ نگاری انوری، خاقانی اور ظہیر فاریابی جیسے باکمال قصیدہ گو نظر آتے ہیں۔ اس دور میں قصیدہ اظہار فضل وکمال کا ایک ذریعہ خاص بن چکا تھا۔ اس دور کے قصائد کی خصوصیات میں خیال بندی، مضمون آفرینی، باریک بینی اور ضایع لفظی و معنوی کا استعمال وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

انوری کے قصائد میں خیالات کی گہرائی ہے۔ اُسے اچھوتے مضامین اور نادر خیالات، و تراکیب کے استعمال کا ملکہ حاصل تھا۔ مختصر یہ کہ اُس نے بے حد مشکل اور پیچیدہ قصائد لکھے اور اس کے دیوان کے زیادہ تر قصائد کے مضمون و معانی کو سمجھنے کے لیئے شرح و بسط کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس کا ہر قصیدہ مطالعہ کے وقت دعوت غور وفکر دیتا ہے۔ لغت میں اس کو ملکہ تھا۔ وہ مغلق اور ادق الفاظ انتہائی بے باکانہ اور بے تکلفانہ طور پر پورے اعتماد کے ساتھ استعمال کرتا ہے۔ زورِ بیان اسکی شاعرانہ قوت تخلیق کا دوسرا نام ہے۔ جو الفاظ اور جو ترکیبیں

اس کے قصیدوں میں صرف ہوئے وہ جوش و اثر کا مرقع بن گئے۔ رضا زادہ شفق کے الفاظ میں انوری کی عظمت و بلندی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

"اس میں اصلاً کوئی شک نہیں کہ انوری ایران کا سب سے بڑا قصیدہ گو شاعر ہے"۔[1]

متذکرہ بالا خصوصیات کے ثبوت میں انوری کے مشہور قصیدے کے دو چار شعر نقل کئے جاتے ہیں۔

باز این چہ جوانی و جمالست جہاں را ۔۔۔ وین حال کہ نو گشت زمیں را و زمان را
مقدار شب از روز فزوں بود بدل گشت ۔۔۔ ناقص ہمہ ایں را شد و کامل ہمہ آن را
در باغ چمن ضامن گل گشت ز بلبل ۔۔۔ آنروز کہ آوازہ فگند ند خزان را
اکنوں چمن و باغ گرفتار تقاضاست ۔۔۔ آری بدل خصم بگیرند ضمان را
آہو بسر سبزہ مگر نافہ بیند اخت ۔۔۔ کز خاک چمن آب بشد عنبر و بان را

انوری کا دوسرا مشہور قصیدہ مندرجہ ذیل ہے۔

گر دل و دست بحر و کان باشد ۔۔۔ دل و دست خدایگان باشد
شاہ سنجر کہ کمترین خدمش ۔۔۔ در جہاں پادشہ نشاں باشد
من نہ گویم کہ جز خدای کس ۔۔۔ حال گرداں و غیب داں باشد
گویم از رای رائیت شب و روز ۔۔۔ در اثر در جہاں عیاں باشد
رائیت راز ہا کند پیدا ۔۔۔ کہ ز تقدیر در نہاں باشد

---

[1] تاریخ ادبیات از رضا زادہ شفق ص ۲۲۲

انوری نے تشبیہہ اور استعارے کو اپنے قصیدہ کا جزو لازمی قرار دیدیا تھا۔ نئی نئی تشبیہوں کے استعمال اور اختراع میں اس کو کمال حاصل تھا۔ وہ قصیدہ ایک نئے انداز سے شروع کرتا ہے مثلاً اس کا یہ قصیدہ :۔

دوش سلطاں چرخ آئینہ فام
آنکہ دستور شاہ است غلام

اس کے علاوہ انوری نے تشبیب میں سوال وجواب اور مناظرہ کے اس اسلوب کو جس کی بنیاد عنصری نے رکھی تھی بڑا فروغ دیا۔ ایک قصیدہ میں گل وسرو کا مناظرہ اس طرح پیش کرتا ہے۔

گل ہمی گفت ترا نیست بر من قیمت — سرو میگفت ترا نیست بر من مقدار
گل از او طیرہ شد وگفت کہ اے بے معنی — دم خوبی زنی آخر بکدام استظہار
گوئی آزارم و بر یک قدمے پیوستہ — دعوی رقص نمائی و ندانزی رفتار
سرو لرزاں شد از آں طعنہ بہ گل گفت کہ من — پای برجایم و ہمچوں تو نیم دست گزار
سالہا بودم و در باغ ندیدم رخ تو — تو کہ دی آمدی امروز شدی در بازار

موضوع کے لحاظ سے بھی انوری کے قصیدے میں تنوع اور تازگی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ ہجو جو دیگر قصیدہ گو شعرا کے یہاں شاذونادر ہی پائی جاتی ہے انوری نے اسے قصیدہ کا باقاعدہ موضوع قرار دیا مولانا شبلی نے انوری کے ہجویہ قصائد کے سلسلے میں اپنے تاثرات کا اظہار یوں کیا ہے۔

"اس کی شاعری کا اصل سرمایۂ فخر ہجو ہے اور اگر ہجو گوئی کوئی شریعت ہوتی تو انوری اس کا پیغمبر ہوتا"۔ [1]

مثلاً گھوڑے کی ہجو میں انوری نے جو قصیدہ لکھا ہے اس کا مطلع یہ ہے:-

دی یا مداد عید کہ بر صدر روزگار
ہر روز عید باد بتائید کردگار

انوری کے علاوہ اس دور کے جن دیگر شعرا نے فارسی قصیدہ نگاری میں اضافے کیے اور جن کے ذکر کے بغیر قصیدہ کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی انمیں خاقانی اور ظہیر فاریابی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان دو شاعروں نے قصیدہ گوئی میں کامیابی کی آخری منزلیں طے کی ہیں جن کا تفصیلی ذکر اگلے باب میں آئے گا۔ مختصر یہ کہ اس دور میں ان قصیدہ گو شعرا نے اپنے مدحیہ قصائد میں ممدوح کی ایسی مدح و ثنا گستری کی ہے جو دائرہ عقل سے منزلوں دور ہے۔ اسی دور میں دریا کو ممدوح کی سخاوت کا قطرہ اور پہاڑ کو اس کی ثابت قدمی کا ایک نشان بتایا جاتا تھا۔ آسمان ممدوح کے دربار میں پیشانی سجدہ خم کیے ہوئے دکھائی دیتا غرضکہ قصیدہ میں مبالغہ آرائی اس دور سے پہلے بھی کی جاتی رہی ہے لیکن اس دور کی مدح سرائی کے بعد مدح اور مبالغہ ایک ہی چیز کے دو نام تھے۔ شاعر اپنے ممدوح کی مدح و ثنا میں

---

[1] شعر العجم از شبلی نعمانی جلد اول ص۲۳

مبالغہ آرائی کی منزل آخر سے گزر جانے میں ہی فخر محسوس کرتا تھا۔
انوری خاقانی اور ظہیر فاریابی کی مبالغہ آرائی کے بعد فارسی قصیدہ نگاری کی تاریخ میں ایک انقلاب آتا ہے جس کے نتیجہ میں قصیدہ کی تاریخ پھر اپنے کو دہراتی ہوئی نظر آتی ہے اور قصیدہ میں سادگی، بے تکلفی، خدا کی حمد و ثنا اور پند و موعظت اس دور کے خاص موضوع قصیدہ ہیں اور اس سبک پر قصیدہ لکھنے والوں میں ایران کے نامور شاعر شیخ سعدیؔ کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اسمیں کوئی اختلاف رائے نہیں کہ سعدیؔ غزل کے پیغمبر تھے لیکن فارسی قصیدہ نگاری پر سعدیؔ نے جو احسانات کئے ہیں وہ اس سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ سعدیؔ کے قصیدے متقدمین کے سبک پر ہیں لیکن ان سے زیادہ روشن سادہ اور بے تکلف ہیں لیکن انھوں نے مدح میں متقدمین کی طرح کبھی تفصیل، اغراق اور مضمون آفرینی سے کام نہیں لیا۔ انکی بے سر و پا مدح نہیں کی بلکہ اپنے ممدوح کو نہایت شگفتہ اور دلپذیر انداز میں وعظ و نصیحت کی ہے اور انھیں حکمرانی کے آداب بتاتے ہیں۔ زر و زور دونوں کے مالک ممدوحین کو دلیرانہ انداز میں نصیحت کرنا اور انھیں تنبیہہ کے انداز میں آگاہ کرنا صرف سعدی کا کام تھا چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

نہ ہر کس حق تواند گفت گستاخ
سخن ملکی است سعدی را مسلم

مجدالدین حاکم شیراز کی مدح کرتے ہوئے شیخ سعدی بے ثباتی دنیا

اور عدل و کرم کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جہاں بر آب نہادہ است و زندگی بر باد
غلام ہمت آنم کہ دل برو ننہاد

جہاں نماند و خرم روان آدمی و
کہ باز ماند از و در جہاں بہ نیکی یاد

بر آنچہ می گزرد دل منہ کہ دجلہ بسی
پس از خلیفہ بخواہد گذشت در بغداد

گرت ز دست برآید چو نخل باش کریم
ورت نصیب نیفتد چو سرو باش آزاد

شمس الدین محمد جوینی کے بھائی عطا ملک جوینی جو تاریخ جہاں کشا کا مصنف بھی ہے، کے مدحیہ قصیدے میں یہ اشعار ملتے ہیں جس میں حاصل عمر کیا ہے۔ حیات بے حاصل بے سود ہوا کرتی ہے وغیرہ وغیرہ نصیحتیں کی ہیں۔

اگر ہمیں خور و خوابست حاصل از عمرت
بہ ہیچ کار نیاید حیات بے حاصل

تنای طول بقا ہیچ فایدہ نکند
کہ در مواجہہ گویند راکب و راحل

بلی تنای جمیل آن بود کہ در خلوت
دعای خیر کنندت چنانکہ در محفل

ایک دوسرے ممدوح اتابک سلجوق سلغر کی مدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جہاں نماند و آثار معدلت ماند
بخیر کوش و صلاح و بعدل کوش و کرم

خطای بندہ نگیری کہ مہتران ملوک
شنیدہ اند نصیحت ز کہتران خدم

خنک کسی کہ پس از وی حدیث خیر کند
کہ جز حدیث نمی ماند از بنی آدم

غرضکہ سعدی نے صنف قصیدہ کو مختلف موضوعات کے لئے استعمال کیا۔ یہ سچی اور بیباک مداحی اور بے ثباتی دنیا پہ پند و نصیحت اس عظیم شاعر کا خاص موضوع تھا بلکہ یہ کہ ناصر خسرو نے جن اخلاقی قصیدوں کی بنیاد رکھی وہ زینہ سعدی

کے قصیدوں کے سہارے منزل کمال تک پہونچ گئی۔ سعدی کو اپنے ممدوحین کے ساتھ خلوص و ہمدردی ہے اور اس جذبے کے تحت وہ ممدوحین کی نکتہ چینی کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ انکیانو کی مدح میں لکھے گئے قصیدے کے چند عبرت آمیز اور پر انتباہ اشعار یہاں نقل کر دینا مناسب ہوگا۔ واضح رہے انکیانو ہلاکو کی طرف سے مقرر کیا گیا حاکم فارس تھا۔

اے کہ وقتی نطفہ بودی در شکم — وقت دیگر طفل بودی شیرخوار
تی بالا گرفتی تا بلوغ — سرو بالائی شدی سیمیں عذار
ہم چنیں تا مرد نام آور شدی — فارس میدان و مرد کارزار
آنچہ دیدی بر قرار خود نماند — آنچہ بینی ہم نماند برقرار
دیر و زود این شکل و شخص نازنیں — خاک خواہد گشتن و خاکش غبار

شیخ سعدی کی قصیدہ نگاری کے مختصر جائزے کے بعد فارسی زبان کے سب سے بڑے ہندوستانی شاعر امیر خسرو دہلوی کی قصیدہ گوئی کی منزل آتی ہے۔ امیر خسرو کے دیوان کا بیشتر حصہ قصائدیہ مبنی ہے۔ آپ نے قصیدہ نگاری میں ایران کے مشہور قصیدہ نگاروں خاص کر خاقانی اور نظامی کی طرز نگارش کا اتباع کیا ہے لیکن اس کے باوجود اُنھوں نے ایک نئے طرز کی ایجاد کی جس کا اتباع کم و بیش ہندوستان کے دوسرے فارسی شعرا نے بھی کیا اور غالباً ان کا یہی طرز بعد کو سبک ہندی کے نام سے موسوم ہوا۔

امیر خسرو کے دیوان کو جس میں زیادہ تر مدحیہ قصیدے سلاطین دہلی کی مدح میں ہیں، پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان کے ممدوحین میں سلطان

غیاث الدین بلبن، اس کا بیٹا شاہزادہ نصرت الدین محمد، سلطان معز الدین کیقباد، جلال الدین فیروز شاہ، رکن الدین، علاء الدین، سلطان غیاث الدین تغلق، خواجہ نظام الدین اولیاؒ اور شاہی دربار کے دیگر امیروں کا شمار کیا جا سکتا ہے جن کی مدح میں شاعر نے معرکہ آرا قصائد نظم کئے ہیں۔ تاریخی اور فنی اعتبار سے وسط الحیات کے قصائد زیادہ اہم اور دلچسپ ہیں ان قصائد میں انھوں نے کبھی خاقانی شروانی کی پیروی کی ہے اور کبھی کمال اصفہانی جیسے قصیدہ گو شاعروں کے طرز بیان کو اپنانے کی کوشش کی ہے۔

غرۃ الکمال میں جنات النجات، مرآۃ الصفا اور دریائی ابرار جیسے مشہور ترین قصیدے شامل ہیں جنکی فارسی ادب میں ایک خاص اہمیت ہے۔ بعض قصائد کی ابتدا شاعر نہایت دلفریب تغزل سے کرتا ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل قصیدہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

صبا را گاہ آں آمد کہ راہ بوستاں گیرد — زمیں را سبزہ در دیبا و گل در پرنیاں گیرد
زباں از گفتن آتش نسوزد لیکن از سوسن — حدیث لالہ گو ید تر سم آتش در جہاں گیرد
تماشا کن کہ چوں بگرفت لالہ کوہ را دامن — کسی کو تیغ بے موجب کشد خونش چناں گیرد
زیاد غنچہ مرغان را نوا بستہ شود تا گل — بسازد پردہ نو روز و بلبل خوش دہاں گیرد

امیر خسرو نے اپنے قصائد میں تقوی اور اخلاقیات کے مضامین بیان کئے ہیں۔ اس کے قصائد میں صوفیانہ نکات بدرجہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ اپنے پیر روشن ضمیر حضرت نظام الدین اولیاؒ کی مدح میں لکھے گئے اکثر قصائد میں صوفیانہ اصطلاحات کا استعمال کیا ہے۔ مندرجہ بالا مضامین

پر مبنی قصیدہ کا ایک مطلع یہ ہے جس میں شاعر نے خاقانی کے مشہور قصیدے کی پیروی کی ہے۔

دلم طفلست و پیر عشق استاد زبانِ دانش سواد لوحہ سبق و مسکنت گنج دبستانش

تیموری اور ایلخانی دور کے بعد ایرانی ادبیات کی تاریخ میں صفوی اور قاجاری بادشاہوں کا زمانہ آتا ہے۔ اس دور کی دیگر اہمیتوں کے علاوہ سب سے اہم بات یہ ہے کہ فارسی زبان اور ادب ایران کے باہر اور خصوصاً ہندوستان میں خوب پھیلا۔ فارسی زبان تو ہندوستان میں اسلامی صدیوں کے ابتدا ہی میں پہونچ چکی تھی۔ غزنویوں اور غوریوں کے قیام حکومت کے بعد ہندوستان میں فارسی زبان کی اشاعت بڑھ گئی اور مغلوں کے قیام سلطنت کے بعد تو زبان اوج کمال پر پہونچ گئی اور بہت سے شاعر و سخنور پیدا ہونے لگے۔ ان میں صائب تبریزی، فیضی، عرفی شیرازی، نظیری نیشاپوری، ظہوری ترشیزی، ابوطالب کلیم ہمدانی اور خجندی نے ہندوستان میں بڑی شہرت حاصل کی اور جہاں تک قصیدہ نگاری کا تعلق ہے ان سبھی شعرا نے اچھے قصیدے لکھے ہیں لیکن خاص طور پر فیضی اور عرفی شیرازی کے نام قابل ذکر ہیں جنھوں نے ہندوستان میں فارسی قصیدہ نگاری کو معراج کمال پر پہونچا دیا۔ فیضی کے دیوان میں قصائد کی اچھی خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔ جس میں اس نے مشہور ایرانی شاعروں کے جواب میں بڑے اچھے قصیدے لکھے ہیں۔ اس کے قصیدے کے اشعار بہت مکمل اور جامع ہیں۔ رضازادہ شفق نے فیضی کی فارسی شاعری کے سلسلے میں اپنی عقیدت کا اظہار یوں کیا ہے۔

"اگرچہ فیضی نے ہندوستان میں اپنی زندگی بسر کی لیکن اس نے متانت سخن اور استحکام شعر میں وہ مقام حاصل کیا ہے کہ ایرانی شاعروں میں اور اس میں آسانی کے ساتھ تمیز نہیں کیا جا سکتا"۔[1]

عرفی شیرازی کا ذکر تفصیلی اگلے باب میں ملاحظہ کیجئے۔ مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عرفی کے قصیدے مضمون آفرینی نازک خیالی، مترنم تراکیب اور نادر تشبیہات و استعارے کے بہترین مرقع ہیں۔ عرفی کے قصائد میں اس دور کے دیگر ایرانی شعرا کی طرح غزل کی فضا ملتی ہے اور اس کا ایک اہم سبب شاید یہ رہا ہو کہ فارسی غزل اس وقت تک لوگوں کے دلوں میں گھر کر چکی تھی اور کسی حد تک اُسے شعر و ادب کی صدر نشینی بھی حاصل ہو چکی تھی۔

ایرانی ادبیات کی تاریخ میں صفوی دور کو ادبی انحطاط کا زمانہ سمجھا جاتا ہے اور اس کی ذمہ داری بقول رضا زادہ شفق مغلوں اور تیموریوں کے دور کی قتل و غارت گری اور صفوی بادشاہوں کی مذہب پرستی پر ہے۔ حالانکہ تیمور کے زمانے میں ایران کو جن ادبی صدمات سے دوچار ہونا پڑا تھا اس کے بیٹے شاہ رخ اور دیگر اخلاف نے اپنی سرپرستی ادب سے اس کا بہت کچھ ازالہ کر دیا تھا اور جدید تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے

---

[1] تاریخ ادبیات ایران از رضا زادہ شفق ص ۷۰۴

کہ اس کی سب سے بڑی ذمہ داری صفوی بادشاہوں کی مذہب پرستی پر ہے۔
اور شاید یہی سبب ہے کہ مذہبی شاعری کو اس زمانے میں بڑا فروغ حاصل
ہوا اور خاص طور پر مذہبی پیشواؤں اور دینی رہبروں کی مدح میں قصائد
لکھے گئے لیکن اس سے یہ اندازہ لگانا کہ صرف مذہبی قصائد ہی لکھے گئے
ناانصافی ہوگی بلکہ شعرا نے بادشاہ وقت اور ان کے صاحبزادوں کی مدح
میں بھی بہت سے قصائد لکھے ہیں۔ بہرصورت صفوی اور قاجاری دور
کے مشہور قصیدہ نگاروں میں محتشم کاشانی، بابا فغانی شیرازی، اہلی شیرازی،
مجمر اصفہانی، نشاط اصفہانی، ملک الشعرا صبا، وصال شیرازی، قائم مقام
حکیم قاآنی اور سروش اصفہانی کے نام قابل ذکر ہیں۔ محتشم کے دیوان میں
قصائد کم ہی ملتے ہیں اور جو قصائد ہیں بھی وہ آئمہ اطہارؑ کی مدح میں
لکھے گئے ہیں۔ بابا فغانی نے بہت سے قصیدے لکھے لیکن حضرت علیؓ کی
مدح میں دو قصیدے بہت مشہور ہیں جس میں شاعر نے ناصر خسروؔ اور
شیخ سعدی کے طرز پر حکیمانہ اور اخلاقی باتیں بھی نظم کی ہیں۔ اہلی شیرازی
بھی اس دور کا بہت بڑا قصیدہ گو تھا اور اس نے بہترین قصیدے لکھے
لیکن اس کا اصل میدان غزل تھا۔ اس کے بعد مجمر اصفہانی کا دور آتا
ہے۔ مجمر نے متقدمین کے طرز کی طرف بازگشت کی اور اول درجہ کے قصیدہ
گو شعرا میں گنا جانے لگا۔ اس کے دیوان میں زیادہ تر قصیدے بادشاہ،
ان کے بیٹوں اور اعیان مملکت کی مدح میں پائے جاتے ہیں۔ اس نے
اپنے قصیدوں میں خاص طور پر انوری اور خاقانی کی طرز کا سہارا لیا ہے۔

مجمر کے ایک قصیدہ کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں :-

در عرصۂ دو گیتی از آشکار و پنہاں — زیبا ترین بدیعی کاند ز فیض یزداں
از عقلہاست اول و ز نفسہاست قدسی — از عضوہاست دیدہ و ز عرقہاست شریاں
از پیکہاست جبریل از مژدہ ہاست بعثت — از صلہاست توحید و ز فضلہاست ایماں

مجمر کے بعد نشاط نے قصیدہ گوئی میں فارسی ادبیات کی قدیم روایات کو نئے سرے سے زندہ کرنے میں بڑا اہم رول ادا کیا۔ نشاط کے قصیدوں میں قدما کا رنگ پوری طرح غالب ہے۔ امیر معزی کے قصیدہ کے جواب میں جو قصیدہ نشاط نے لکھا ہے اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں :-

زیبا ترین اشیا فرخ ترین اعیاں — از ہر چہ ہست پیدا و ز ہر چہ است پنہاں
از مرغہا ہزار است از وقتہا سحر گہ — از فصلہا بہار است از نوعہاست انساں
از عہدہا شباب است از آبہا شراب است — از انجم آفتاب است از ماہہاست نیساں
از سنگہا دل دوست از علتہا غم اوست — از تیغہاست ابرو از دشنہاست مژگاں

اس کے علاوہ انوری کے جواب میں لکھے گئے قصیدہ کا مطلع پیش کیا جاتا ہے جس میں شاعر کے رنگ تغزل کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

شاہا ہلال ماہ نو از آفتاب خواہ
ابروئے یار بیں و ز ساقی شراب خواہ

نشاط کے بعد اس دور کے مشہور قصیدہ گو شعرا میں ملک الشعرا صبا کا نام آتا ہے۔ یہ فتح علی شاہ کے زمانے کے مشہور قصیدہ گو شاعروں میں ایک تھا۔ اس نے اکثر فتح علی شاہ، اس کے شہزادوں اور دربار کے امیروں کی

مدح میں قصیدے کہے ہیں۔ اس کے قصائد کو دیکھنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر صبا، نوروز اور بہار سے بہت متاثر تھا۔ اس کے نوروزیہ اور بہاریہ قصائد کے دو مطلعے ملاحظہ ہوں :-

شاہد جاں پرور نوروز تن آراستہ ۔ آفتاب و ماہ از مشکیں پرن آراستہ

---

چو کرد ایں بدلہ ہوے بہرہ آہنگ ۔ شد آذر گوں ز آذر یوں لب رنگ

فتح علی صبا کے بعد اس دور کے فارسی قصیدہ گو شعرا میں وصال شیرازی اور قائم مقام جیسے بلند مرتبہ قصیدہ گویوں کا دور آتا ہے۔ وصال کا اصل میدان غزل تھا حالانکہ اس نے قصائد بھی لکھے ہیں۔ قائم مقام کے اشعار کا بڑا حصہ مدحیہ قصائد پر مشتمل ہے۔ اسکے قصیدوں میں بڑے لطیف حزنیہ اور شکوائی مضامین پائے جاتے ہیں۔ اسکے قصیدوں سے سرزمین ایران کی دردناک حالت جو محمد شاہ کے زمانہ میں تھی بخوبی ظاہر ہے۔ مثلاً اس کا یہ قصیدہ :-

اے بخت بد اے مصاحب جانم ۔ اے وصل تو اصل گشتہ حرمانم

اے بیتو نگشتہ شام یک روزم ۔ اے با تو نرفتہ شاد یک آنم

قائم مقام کے بعد حکیم قاآنی کا زمانہ شاعری آتا ہے جس کا تفصیلی ذکر اگلے باب میں آیگا۔ یہاں اختصار کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قاآنی صفوی اور قاچاریہ دور کا سب سے بڑا شاعر ہے جس نے قصیدہ گوئی کو اس کے کمال کی انتہائی منزل تک پہونچا دیا۔ قاآنی کو الفاظ اور تراکیب کی جادوگری اور صنائع و بدائع کے استعمال میں ید طولیٰ حاصل تھا۔

---

# افضل الدین خاقانی

افضل الدین بدیل بن علی خاقانی کا شمار ایران کے مشہور ترین اور درجۂ اوّل کے قصیدہ گو شاعروں میں ہوتا ہے۔ خاقانی ۵۲۰ھ میں بمقام شروان پیدا ہوا تھا۔ اپنے نام بدیل کے بارے میں ایک قطعہ میں صاف صاف یوں کہتا ہے۔

بدل من آدم اندر جہاں سنائی را　　بدیں دلیل پدر نام من بدیل نہاد

کہتے ہیں اس نے پہلے حقائقی لقب اختیار کیا پھر خاقان اکبر منوچہر بن فریدوں شیروان شاہ سے انتساب کی مناسبت سے خاقانی تخلص پایا۔ خاقان اکبر منوچہر کے پاس ابو العلا گنجوی لیکر گیا تھا۔ چنانچہ اکثر و بیشتر اپنے قصائد میں ابو العلا گنجوی اور خاقانی نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔
خاقانی کی زندگی کا ابتدائی دور اس کے چچا کافی الدین عمر بن عثمان کے ساتھ گزرا جو فلسفہ اور حکمت کا بہت بڑا ماہر تھا۔ اس نے خاقانی کی پرورش علم و ادب کے ساتھ کی۔ شاعر نے اس کی مہربانیوں کو کئی جگہ یاد کیا ہے تحفۃ العراقین میں کہتا ہے۔

من فائدہ جوی و او مفیدم　　عم بودہ مدرس و معیدم

خاقانی نے اپنے چچا سے اکتساب علم کیا اور اس کے علاوہ اس زمانے کے شاعروں میں ابوالعلا گنجوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ ابوالعلا گنجوی نے اپنی بیٹی بھی اپنے شاگرد خاقانی کے نکاح میں دیدی تھی لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ استاد اور شاگرد میں لڑائی ہوگئی اور دونوں نے ایک دوسرے کی ہجو میں قصائد بھی لکھے ہیں۔ رشید وطواط، خاقانی کی بزرگی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

افضل الدین ابوالفضایل بحر فضل　　فیلسوف دین قرائی کفر گاہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ خاقانی نے ادب، فلسفہ، علوم دینی اور قرآن کریم کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور ان علوم میں اسے دستگاہ کامل بھی تھی۔

خاقانی کی زندگی کے تمام حالات کو دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کی زندگی بڑی پریشانیوں کا شکار رہی ہے۔ جوانی، مفلسی اور تنگ دستی کی پریشانی میں گزری اور ساری زندگی دوستوں کی آرزو میں ماتم کرتا رہا ہے چنانچہ دوستوں کی کمی کا احساس کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتا ہے۔

در ہمہ شروان مرا حاصل نیامد نیم دوست　　دوست خود ناممکن است اے کاش بودی آشنا

اس کے علاوہ زمانۂ طفلی میں ہی باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ پچیس سال کا ہوا تھا کہ چچا نے بھی داغ مفارقت دیا اور جب عمر کا آفتاب منزلِ غروب تک پہونچنے کو ہوا تو اس کا جوان سال بیٹا رشید الدین مر گیا

جس کی عمر تقریباً بیس سال تھی۔ لڑکے کی وفات کے بعد پریشانیوں کا ایک بوجھ اس کے سر پر آن پڑا جس کی شکایت اس نے اپنے قصائد میں جگہ جگہ پر کی ہے۔ لڑکے کی وفات پر خود کہتا ہے:۔

دریغ میوۂ عمرم رشید کز سر پائی ۔۔۔ بہ بیست سال بہ آمد بیک نفس بگذشت
مراذخیرہ ہمیں یک رشید بود از عمر ۔۔۔ نتیجۂ شب روزی کہ در ہوس بگذشت

غرضکہ شاعر کی پوری زندگی مصائب و آلام زمانہ کا شکار رہی ہے۔ صدموں پر صدمے اٹھائے اور دنیا نے اسے کبھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ اس نے تمام عمر دینی اور اخلاقی مسلک کی پیروی کی۔ وہ لوگوں سے وفا اور راستی کا طالب تھا لیکن دنیا میں کبھی اسے فراغت و اطمینان نہ نصیب ہوا اور آخر کار ۵۹۵ھ میں بمقام تبریز موت کی گود میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آرام کی نیند سو گیا اور مقبرۃ الشعراء میں دفن ہوا۔

خاقانی کی شاعری گوناگوں خصوصیات کی حامل، نہایت مستحکم اور استوار ہے۔ اس کی شاعری میں تمام بنیادی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک ادبی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ عام ڈگر اور عام سطح سے الگ ہے۔ یعنی ایسے دقیق اور گہرے خیالات کو جو عام شاعروں کے ذہن میں نہیں آسکتے نہایت جامع اور فصیح الفاظ کے قالب میں بیان کرتا ہے بلکہ خاقانی کی شاعری کا بڑا حصہ اسی پر مشتمل ہے۔ اس کے کلام کو دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسے علوم متداولہ پر عبور کامل تھا اور علمی استعارے اور کنائے ہر وقت اس کے ذہن میں حاضر رہتے تھے۔ وہ اپنے کلام میں کثرت سے مختلف علوم و

فنون کی اصطلاحیں اور تلمیحات و اشارات لاتا ہے۔ جب تک کوئی شخص تمام علوم و فنون سے واقف نہ ہو اس کے کلام کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن اس کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ ان سب میں وہ ایک تازگی پیدا کر دیتا ہے۔ اس نے نئے نئے الفاظ، نت نئی ترکیبیں اور اچھوتے معانی سے کام لیا ہے۔ اسکا مشہور قصیدہ ہے :۔

دل من پیر تعلیم است و من طفل زباندانش
دم تسلیم سر عشر و خم زانو دبستانش

اپنی متذکرہ بالا خصوصیات کلام کے بارے میں جگہ جگہ خاقانی نے اشارے کئے ہیں۔ ایک جگہ کہتا ہے :۔

مرا شیوۂ خاص تازہ است و داشت ہماں شیوۂ باستان عنصری

اس کے دیوان میں مندرجہ ذیل اشعار بھی ملتے ہیں جو اس نے اپنے بارے میں کہا ہے۔

شاعر منطق منم خوان معانی مراست ریزہ خور خوان من رودکی و عنصری
زندہ چو نفس حکیم نام من از تازگی گشتہ چو مال کریم حرص من ازاندکی

اس کے علاوہ اپنی جدت طبع اور دیگر خصوصیات کے بارے میں خاقانی نے مستقل ایک قصیدہ لکھا ہے جس کے مندرجہ ذیل اشعار یہ ہیں :۔

نیست اقلیم سخن را بہتر از من بادشا در جہاں ملک سخن رانی مسلم شد مرا
مریم بکر معانی را منم روح القدس عالم ذکر معانی را منم فرماں روا

اس کے علاوہ خاقانی نے اپنے کلام میں عصر حاضر کے ادباء کی طرح

ان الفاظ کو جگہ دی ہے جو اس زمانہ کی مقامی بولی سے متعلق ہوتے تھے۔
الفاظ کے انتخاب میں خاقانی کا یہ طریقہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ
اُسے زبان و بیان پر یکساں قدرت حاصل تھی کیونکہ اس کے دیوان میں
الفاظ کی ایسی ترکیب۔ استعارہ اور نادر تلمیحات بھی پائی جاتی ہیں جنکو
سمجھنے کے لئے ایک دفتر علم درکار ہوتا ہے۔ مقامی بولی کے یہ الفاظ غالباً
آذربائیجان سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً مندرجہ ذیل شعر میں ایمہ کا لفظ
انگنوں کے معنی میں استعمال کیا ہے۔

ایمہ نہ بغداد جای شیشہ گرانست

بھر کلاب طرب فزای صفاہان

عام طور پر خاقانی کے قصائد نہایت طویل اور مفصل ہوتے ہیں
اور اس کے دیوان میں ایسے قصیدوں کی تعداد غالباً زیادہ ہے جنھیں
وہ مطلع ثانی سے شروع کرتا ہے۔ ایسے قصائد کی بحریں بھی لمبی ہوتی ہیں۔
مطلع ہی میں شاعر اپنے مقصود کا اظہار کر دیتا ہے اور کبھی کبھی تغزل اور
تشبیب سے کام لیتا ہے۔ اس کی تشبیب کا موضوع جلوۂ صبح، طلوع
آفتاب، یا عشق و محبت یا مناظر قدرت کی عکاسی ہوتے ہیں بلکہ اگر یوں
کہا جائے کہ خاقانی نے فطرت کی عکاسی اور منظر نگاری کو اپنے قصیدے
میں اس حد تک استعمال کیا ہے کہ اگر یہ اشعار قصیدے سے الگ کر لئے
جائیں تو خاقانی کی منظر نگاری پر علیحدہ ایک کتاب مرتب کی جا سکتی ہے۔
فطرت کے گوناگوں مناظر کی عکاسی کرتے وقت اسکا انداز بیان کچھ اتنا

موثر ہو جاتا ہے گویا اس نے فطرت کو بڑے قریب سے دیکھا ہے۔ مثلاً اس کا یہ قصیدہ جو اُس نے مکہ کی تعریف میں لکھا ہے:-

شب روان در صبح صادق کعبۂ جان دیدہ اند

صبح را چون محرمان کعبہ عریان دیدہ اند

منظر نگاری کے علاوہ خاقانی کے کلام کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ معاصرین کے خلاف واقعہ نگاری پر مائل ہے۔ اس کے دیوان میں اکثر ایسے قصیدے پائے جاتے ہیں جو اُس نے خاص خاص واقعات پر لکھے ہیں اور قصیدوں میں جہاں واقعات کی تصویر کشی کی ہے شاعرانہ خیالات کا رنگ بھی چڑھا دیا ہے اور اس کے اس طرز سے کلام میں تاثیر پیدا ہو گئی ہے۔ سفر مکہ معظمہ کے وقت جب وہ مدائن کی طرف سے گزرا اور طاق کسریٰ کی بدترین حالت کو دیکھا تو ایران کا یہ صاحب دل شاعر اتنا متاثر ہوا کہ بے اختیار اس کی زبان سے یہ پر درد و پر جوش اشعار نکل پڑے جو اس کی واقعہ نگاری پر قدرت کاملہ کی دلالت کرتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| ہاں اے دل عبرت بین از دیدہ نظر کن ہاں | ایوان مدائن را آئینہ عبرت دان |
| یکرہ ز لب دجلہ منزل بمداین کن | وز دیدہ دوم دجلہ بر خاک مداین ران |
| خود دجلہ چنیں گرید صد دجلہ خون گوئی | کز گرمیٔ خونابش آتش چکد از مژگان |
| بینی کہ لب دجلہ چوں کف بدہان آرد | گوئی ز تف آہش لب آبلہ زد چندان |

اس کے علاوہ اس کے دیوان میں واقعہ خاص سے متعلق بہت سے قصائد پائے جاتے ہیں جس میں اس نے ماہرانہ انداز سے واقعہ نگاری کی ہے۔

۵۴۹ھ میں ولایت خراسان میں غز ترکوں کے ہجوم کے اس واقعہ سے متاثر ہو کر جس میں ملک ایران تباہ ہو گیا۔ بے شمار جانوں کے ساتھ ساتھ امام محمد یحییٰ جیسے بزرگ شہید ہو گئے۔ بے اختیار اس کے لب پر نالہ آ گیا اور بے شمار قصیدے لکھے مثلاً

آن مصر مملکت کہ تو دیدی خراب شد
وان نیل مکرمت کہ شنیدی سراب شد

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ خاقانی کے کلام میں پختگی، فکر کی لطافت، تخیل کی بلندی، تشبیہہ، ایہام، تجنیس اور نکتہ سنجی وغیرہ ایسی خوبیاں ہیں جس نے اُسے بلندی کے ایک درجہ تک پہونچا دیا ہے اور بقول علامہ شبلی یہی اس کے خواص کلام ہیں اور اس خاص وصف میں اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ اس کے کلام کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے بدیع الزماں خراسانی تحریر فرماتے ہیں۔

"جائے ہیچ سخن نیست کہ خاقانی از جہت ابداع تراکیب و ایجاد کنایات دلپزیر ہم پایہ و در ردیف بزرگ ترین شعرای ایران است و کمتر بیتے از ابیاتش توان دید کہ ہر یک بہ چند ترکیب تازہ مشتمل نباشد و شاید اگر دیوانش را فرہنگ لغات ادبی محسوب دارند۔ توانائی او در استخدام معانی و ابکار مضامین از ہر قصیدۂ او پدید است"۔[1]

---

[1] سخن و سخنوران از بدیع الزماں خراسانی ص ۳۰۳ و ص ۳۰۶

# ظہیر فاریابی

ابوالفضل طاہر بن محمد ظہیر الدین بلخ کے ایک قصبہ میں پیدا ہوا جسکا نام فاریاب تھا۔ علوم متداولہ پہ عبور کامل حاصل کرنے کے بعد شعر و ادب میں کمال حاصل کیا اور خاص طور سے اس نے عربی زبان اور علم نجوم میں خاص مہارت حاصل کی چنانچہ وہ خود لکھتا ہے۔

کمال دانش من کور دیدہ گر بشنید | بہ نظم و نثر چہ در فارسی چہ در تازی
بروں ز حکمت و انواعِ آن کہ در ہر باب | مرا رسد کہ کنم با فلک ہم آوازی

علوم متداولہ پہ عبور کامل حاصل کرنے اور قوم کی زبان سے صدر الحکماء کا خطاب حاصل کرنے کے بعد ظہیر نے اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں نیشاپور کا سفر اختیار کیا اور یہاں آکر طغان شاہ بن موید کی مدح میں قصائد لکھے اور بڑی شہرت حاصل کی پھر مازندران کا سفر اختیار کیا اور سلاطین مازندان کے دربار میں باریابی حاصل کرکے ان کی مدح سرائی کرتا رہا پھر اس کے بعد آذربائجان پہونچا اور جہاں پہلوان محمد ایلدگز کے دربار میں ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا۔ اس نے ظہیر کی نہایت قدر کی چنانچہ

ظہیر نے اس کے احسان کے بدلہ میں جب تک وہ زندہ رہا پھر کسی دوسرے بادشاہ کی مدح میں قصائد نہیں لکھے یہی وجہ ہے کہ اس کے دیوان میں اکثر قصائد جہان پہلوان محمد ایلدگز کی مدح میں پائے جاتے ہیں۔ پہلوان کی وفات کے بعد وہ بادشاہ قزل ارسلان کے درباری شعرا میں داخل ہوا اور بڑی شہرت حاصل کی۔ مندرجہ ذیل مشہور قصیدۂ ظہیر اسی بادشاہ کی شان میں ہے اور مبالغہ کی بہترین مثال ہے۔

نہ کرسیٔ فلک نہد اندیشہ زیر پای
تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد

کچھ دنوں تک قزل ارسلان کے دربار میں رہنے کے بعد ظہیر نے اتابک ابوبکر کے دربار کی طرف رجوع کیا۔ اتابک نے ظہیر کی بڑی قدر کی اور بڑے بڑے انعامات و اکرامات سے نوازا چنانچہ اس کی مدح میں بھی بہت سے قصائد ملتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک رات ظہیر نے مندرجہ ذیل رباعی لکھ کر سلطان اتابک کی خدمت میں پیش کی۔ بادشاہ نے بطور صلہ اسے دو ہزار دینار سرخ عطا کئے۔ اس ایک مختصر سے واقعہ سے اتابک کی ادب پروری اور قدر دانی ظہیر پر کافی روشنی پڑتی ہے اور بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے کلام کی کیا اہمیت ہے۔ رباعی یہ ہے:۔

اے ورد ملائکہ دعای سر تو
سر نیست زمانہ را بجاے سر تو
با دشمن تو بنام شمشیر تو گفت
سر دل من باد فدای سر تو

عمر کے آخری حصے میں ظہیر نے گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندگی بھر اس دنیا میں سکون کی تلاش کرتا رہا لیکن دنیا میں جائے سکون نہ ملنے کے بعد اس نے ترک دنیا کو ہی بہتر سمجھا اور بقول رضا زادہ شفق ۵۹۸ھ بمقام تبریز وفات پائی اور مقبرۂ شعرائیں خاقانی کے پہلو میں دفن ہوا۔ دولت شاہ نے ۵۵۸ھ سنہ وفات لکھا ہے۔ مولانا آزاد نے ظہیر کا سنہ وفات ۵۶۸ھ تحریر فرمایا ہے اور صاحب ہفت اقلیم نے سنہ وفات ۵۹۲ھ لکھا ہے۔

ظہیر کے قصائد میں وہ تمام خوبیاں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں جو قدمائ کے کلام کی خاص خصوصیات میں سے ہیں۔ مثلاً تکلّف اور آورد کا وجود نہ تھا۔ خیالات کو صاف اور سادہ الفاظ میں بیان کر دیتے تھے۔ زیادہ تر الفاظ کی صنعت گری پر مدار ہوا کرتا تھا لیکن قدما کی اتباع کے ساتھ ساتھ ظہیر نے قصائد میں بہت سی نئی باتیں بھی اضافہ کیں اور ظہیر کے بعد سے ہی شعرائے متاخرین قصائد میں الفاظ کی بندش جو قدما کی خصوصیات میں سب سے اہم خصوصیت تھی کے بجائے دقیق خیال بندی پر زیادہ زور دیا اور یہ کہنا کسی حد تک مبالغہ نہ ہوگا کہ دقت آفرینی اور خیال بندی جو ظہیر کے بعد آنے والے قصیدہ گو شعرا کے مخصوص اوصاف ہیں اس کی بنیاد کم و بیش ظہیر ہی نے رکھی تھی۔ اس کا اندازہ اس کے کلام کے مطالعہ کے بعد بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً کمر کی تعریف میں لکھتا ہے:۔

اندیشہ گہ گم شود از لطف در ضمیر     گردوں بہ راز یا کمرت در میان نہاد

یا دوسری جگہ بادشاہ کے عدل کی تعریف صفتِ حسن تعلیل کے ذریعہ یوں کرتا ہے۔

زتیغ آبگیر اے بضعہ زتاثیر عدل او
نقاش صنع پیکرِ مرغان ستان نہاد

اس کے علاوہ ظہیر کے قصائد میں اکثر ایسے اشعار پائے جاتے ہیں جن سے اس کی دقت آفرینی اور لطیف خیال بندی کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے اور جن کو سامنے رکھ کر شعرا متاخرین نے شہرت و مقبولیت کی منزلیں سر کی ہیں علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں۔

"ظہیر فاریابی نے دقت آفرینی اور مضمون بندی کا آغاز کیا۔ متوسطین اور متاخرین کی دقیق خیال بندیاں اسی کے نمونہ پہ قائم ہوئیں۔[1]"

اس کے علاوہ ظہیر کے قصاید میں ترکیب اور بندش میں چستی، بلندی اور زورِ کلام بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے اور اس نے اس فن میں وہ جوہر دکھائے ہیں کہ سلمان ساوجی اور دیگر استادِ فن کی صفوں کو چیرتا ہوا آگے نکل جاتا ہے۔ مثلاً:۔

شرحِ غمِ تو لذتِ شادی بجان دہد
ذکرِ لبِ تو طعم شکر در دہان دہد

جز زلف و عارضِ تو ندیدم کہ ہیچ کس
خورشید را ز ظلمتِ شب سایبان دہد

ای خسروے کہ حفظ تو از روی اہتمام
گوگرد را ز صولتِ آتش امان دہد

---

[1] شعر العجم جلد پنجم صفحہ ۸

مندرجہ بالا خصوصیات کے علاوہ شاعر نے اپنے کلام میں زبان کی سادگی اور صفائی پر بڑا زور دیا ہے۔ اس نے آسان سے آسان لفظ کو اپنے قصائد میں جگہ دینے کی کوشش کی ہے لیکن زبان کی سادگی اور صفائی کے ساتھ ساتھ اس کے کلام کی نزاکت کو دھکا نہیں لگنے پایا۔ اس کی انھیں خصوصیات کا اقرار کرتے ہوئے دولت شاہ کہتا ہے کہ :-

"اکابر و افاضل متفق کہ سخنِ ظہیر نازک تر و با طراوت تر از سخن انوری است" [۱]

ظہیر فاریابی کی زبان کی سادگی اور صفائی کا ذکر کرتے ہوئے علامہ شبلی یوں رقم طراز ہیں :-

"زبان میں زیادہ صفائی اور گھلاوٹ پیدا کی چنانچہ اس کے قصائد نے انوری اور خاقانی کی طرح کبھی شرح لکھنے کا احسان نہیں اٹھایا" [۲]

ظہیر کے کلام کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ اندازہ لگانا کسی حد تک دشوار نہیں ہے کہ اس نے مندرجہ بالا خصوصیات کے علاوہ تشبیہہ و استعارہ اور دیگر شعری صنائع کے انتخاب میں بھی ندرت پیدا کی ہے۔ اس کے بعد لوگوں نے اس فن میں بڑا زور مارا لیکن نہ ہی اس کے معاصرین نے اور نہ ہی اسکے بعد کے قصیدہ نگاروں میں سے کسی نے اس کے درجہ کو حاصل کیا اور شعرا کی صف میں وہ دریکتا نظر آتا ہے۔ مثلاً اپنے ایک قصیدہ میں شام کے

---

[۱] خزانۂ عامرہ صفحہ ۳۰۶ [۲] شعر العجم جلد پنجم صفحہ ۱۱

وقت کا منظر نگاری، تشبیہ اور استعارہ کے سہارے یوں کرتا ہے۔

دیدم ز زر ریختہ بر این تختِ لاجورد — نونی کہ آن بخطِ خفی کردہ شد نگار

روی فلک چو لجۂ دریا و ماہ نو — مانند کشتی کہ ز دریا کند گذار

یا بر مثالِ ماہی یونس میان آب — آہنگ در کشیدنِ او کردہ از کنار

اسی طرح متعدد تشبیہیں بیان کر کے کہتا ہے۔

آن شاہد از کجاست کہ این چرخ شوخ چشم — از گوشِ او بہ در کند این نغز گوشوار

گردون ز جامۂ کہ بریدہ است این طراز — گیتی ز ساعدِ کہ ربودہ است این سوار

دوسری جگہ بہار کی مدح میں ایک قصیدہ کا آغاز یوں کرتا ہے۔

چمن ہنوز لب از شیر ابر ناشستہ — چو شاہدانِ خط سبزش دمیدہ گردِ عذار

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ظہیر نے نہایت اچھے قصیدے لکھے ہیں۔ دیگر اصناف شاعری میں وہ اپنے ہمعصر شعراء یعنی خاقانی اور انوری کا ہم مرتبہ ہو یا نہ ہو لیکن قصیدہ نگاری میں اگر وہ ان سے آگے نہیں بڑھ سکا تو ٹھیک ہے لیکن وہ اکثر اعتبار سے ان کے پیچھے بھی نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے انوری سے زیادہ اس کی قصیدہ گوئی کی مدح کی ہے۔

# محمد جمال الدین عرفی شیرازی

محمد جمال الدین عرفی ابن زین الدین صفوی دور کا مشہور ترین شاعر
ہے - ایران میں ان محکموں کو جن کا مذہبی صیغہ سے کوئی سروکار نہیں ہوتا
سے عرف کہتے ہیں اور چونکہ عرفی کے پدر بزرگوار شیراز کی دار الحکومت
کے ایسے ہی ایک محکمہ میں ایک عہدۂ ممتاز پر فائز تھے اسی نسبت سے
مال الدین نے عرفی تخلص اختیار کیا۔ صاحب ماثر رحیمی جس نے عرفی کے
رگوشۂ حیات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے اس تخلص کو اختیار کرنے کے
لسلہ میں تحریر فرماتے ہیں -

"چون پدرش بعض اوقات در دیوان حکام فارس بہ امر وزارت
داروغہ دہ الافاضل شیراز مشغولی مینمود - مناسبت شرعی
عرفی را منظور داشتہ تخلص خود عرفی کرد"

عرفی ایک معزز خاندان کا آدمی تھا یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے
قصائد میں نام و نسب پر فخر کیا ہے ۔ تعلیم و تربیت وطن مالوف شیراز میں
ہوئی - دیگر علوم متداولہ کے علاوہ مصوری اور نقاشی کی بھی تعلیم
حاصل کی تھی لیکن جب ہوش سنبھالا تو تمام ایران میں علم و

ہنر کی نمائش گاہ دیکھی اور شاہان صفویہ کی فیاضیوں کی وجہ سے بالخصوص شاعری شباب پر تھی۔ محتشم کاشی، وحشی یزدی اور عیرتی جیسے بلند پایہ شعرا اس میدان میں اپنے کمالات کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ عرفی کو بھی اپنے اظہار فن کے لئے یہ میدان پسند آیا اور بڑی کمسنی میں اس نے شاعری اختیار کی اور اس قدر شہرت اختیار کی کہ بڑے بڑے شاعروں میں اس دور کے شعرا کے مقابلے میں غزلیں لکھنی شروع کیں اور کامیابی اس کے قدموں کی دھول بن کر سامنے آئی۔

باوجودیکہ شاہان صفویہ ادب پرستی اور شاعروں کی قدردانی کا بڑا خیال رکھتے تھے پھر بھی عرفی نے ہندوستان کی سرزمین کو منتخب کیا اور حقیقت یہ ہے کہ شاہان ہندوستان کے مقابلہ میں شاہان ایران کیا اور انکی ادب پرستی کیا۔ یہی وجہ تھی کہ دنیا کے ہر گوشہ سے علماء وفضلاء ہندوستان چلے آرہے تھے۔ ہندوستان آنے کے بعد عرفی باوجود دیگر امراء واہل دول کے فیضی کے دربار میں پہونچا اور فیضی نے اس کی بڑی قدر کی لیکن کچھ دنوں کے بعد فیضی سے نہ نبھ سکی اور بالآخر عرفی حکیم ابوالفتح گیلانی کے دربار میں باریاب ہوا جو عرفی کا ہموطن اور دربار اکبری کا ایک منصب دار تھا اور جب تک حکیم ابوالفتح زندہ رہا عرفی نے کسی دوسرے دربار کی طرف رجوع نہیں کیا۔ یہ اور بات ہے کہ اسنے حکیم صاحب کی خواہش پر خانخاناں کی مدح میں یہ قصیدہ لکھا تھا۔

بیا کہ باد لم آں میکند پریشانی

حکیم ابوالفتح کی وفات کے بعد عرفی نے دربار خانخاناں کی طرف رجوع کیا اور دربار میں پہونچکر خاطر خواہ ترقی حاصل کی۔ علامہ شبلی نے ماثر رحیمی کے مصنف کے حوالہ سے اس کی ترقی کے سلسلے میں مندرجہ ذیل عبارات نقل کی ہے۔

"بہ اندک فرصتی بہ یمن تربیت و شاگردی و مداحی ایں دانای رموز پختگی تمام و ترقی مالا کلام در منظوماتش بہم رسید"[1]

اس کے علاوہ صاحب خزانہ عامرہ نے حکیم ابوالفتح گیلانی کے ایک رقعہ سے یہ عبارت بھی نقل کی ہے۔

"ملا عرفی و ملا حیاتی بسیار ترقی کردہ اند"[2]

چونکہ خانخاناں کا دربار بڑے بڑے نامور شعرا مثلاً نظیری نیشاپوری، شکیبی اصفہانی، انیسی، ظہوری وغیرہ سے بھرا ہوا تھا لہذا باہم شعری مقابلے بھی ہوا کرتے تھے۔ عرفی کا کلام روز بروز ترقی کرتا چلا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے تقرب خاص حاصل کر لیا اور خانخاناں کی تعریف میں بہت سے قصائد لکھے اور خانخاناں نے بھی اس کی اتنی قدر دانی کی کہ پھر جب تک عرفی زندہ رہا صرف خانخاناں کی مدح کرتا رہا یہ اور بات ہے کہ خود خانخاناں کی فرمائش پر اس نے شہنشاہ اکبر کی مدح میں بھی متعدد قصائد لکھے جو ادبی اور فنی لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ عرفی نے بڑی کم عمر پائی اور سنہ ۹۹۹ھ

---

[1] شعر العجم حصہ سوم ص ۸۲ [2] خزانہ عامرہ ص ۱۹۱

میں چھتیس [۳۶] برس کی عمر میں وفات پائی۔ مرنے سے پہلے عرفی نے اپنے مشہور قصیدہ ترجمۃ الشوق میں مندرجہ ذیل شعر کے ذریعہ یہ خواہش بطور پیشین گوئی کی تھی کہ مرنے کے بعد میری ہڈیاں نجف لے جائی جائیں گی شعر یہ ہے۔

بکاوش مژہ از گور تا نجف بہ دم
اگر بہ ہند ہلاکم کنی و گر بہ تتار

عرفی کی یہ بیت پروردگار عالم کی بارگاہ میں قبول ہو گئی اور سنہ سبع عشرین الف [۱۰۲۷] میرصابر اصفہانی نے قبر سے اس کی ہڈیوں کو نکال کر نجف اشرف پہونچا دیا۔ ملا رونقی ہمدانی نے مندرجہ بالا قول کی تصدیق کرتے ہوئے یہ تاریخ کہی ہے۔

| | |
|---|---|
| یگانہ گوہر دریائے معرفت عرفی | کہ آسماں پی پرورنش صدف آمد |
| چو عمر او بسر آمد ز گردش گردوں | شکست برصف دلہای پر شغف آمد |
| بگوش چرخ رسانید حرف جانسوزی | کہ عمرم از تو چوں معرض تلف آمد |
| بکاوش مژہ از گور تا نجف بردم | فگند تیر دعای او بہ حدف آمد |
| رقم زد از پی تاریخ رونقی کلکم | بکاوش مژہ از ہند تا نجف آمد [۱] |

عرفی نے ایک مکمل دیوان جس کی تعداد اشعار تقریباً چودہ [۱۴] ہزار بتائی جاتی ہے کے علاوہ دو مثنویاں بھی لکھی تھیں جو نظامی کے طرز کی تھیں اور بقول رضازادہ شفق یہ دونوں مثنویاں خمسہ نظامی میں سے

---

[۱] خزانہ عامرہ از آزاد بلگرامی ص ۳۱۹

مخزن الاسرار اور خسرو و شیریں کے جواب میں لکھی گئی ہیں اور اگر زندگی نے وفا کی ہوتی تو وہ خمسہ نظامی کا مکمل جواب لکھتا۔ دیوان اور ان دو مثنویوں کے علاوہ نثر میں نفس سے متعلق ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا جس کا نام نفسیہ ہے۔

عرفی کے دیوان کا بیشتر حصہ غزلیات پر مبنی ہے مگر اُسے اس کے قصیدوں نے بڑی شہرت عطا کی حالانکہ قصیدہ نگاری سے بیزاری کا اظہار اس نے اپنے مختلف قصائد میں کیا ہے۔ مثلاً اس کا یہ شعر:-

قصیدہ کار ہوس پیشگاں بود عرفی     تو از قبیلہ عشقی وظیفہ ات غزل است

اور حکیم ابو الفتح گیلانی کے بھائی حکیم حاذق نے عرفی کی غزلیات کے مطالعہ کے بعد اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے۔

عرفی مادر غزل استاد بود     خانہ خراب و دہ آباد بود
مثنویش طرز فصاحت نداشت     کان نمک بود ملاحت نداشت [1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی غزلیں اس لائق ہیں کہ اُسے استاد غزل کے مرتبہ تک پہونچا دیتی ہیں لیکن تمام علماء ایران و ہندوستان کا اس بات پر اجماعِ عام ہے کہ عرفی نے اپنے قصائد کی وجہ سے قبولیت عامہ حاصل کی ہے اور اس کے قصائد کا ہندوستان کے مکاتب میں داخل نصاب ہونا بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے۔

عرفی کا کلام گوناگوں خصوصیات کا حامل ہے اور ہر وہ خصوصیت جو ایک بلند پایہ شاعر کے کلام میں پائی جانی چاہیئے، عرفی کے یہاں بدرجۂ اتم

---

[1] خزانہ عامرہ از آزاد بلگرامی صفحہ ۳۱۹

پائی جاتی ہے لیکن ان خصوصیات کو اپنے کلام میں جگہ دیتے وقت اس نے ایک طرزِ خاص کی ایجاد کی ہے اور اس کی اس خوبی کا اعتراف خود عبدالباقی نے جو عرفی کا ہمعصر تھا کیا ہے۔

"مخترع طرزِ تازہ ایست کہ الحال درمیانۂ مستعدان و اہل زمان معروف است و سخن سنجان تتبع او می نمایند[1]۔"

قصائد میں زورِ کلام کا ہونا لازمی ہے اور عرفی کے قصائد میں پُرشکوہ الفاظ کا استعمال، بندش کی چستی، خیالات کی بلندی اور مضامین کا زور اس حد تک پایا جاتا ہے کہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ عرفی نے نظامی کے ذریعہ جس زورِ کلام کی ابتدا ہوئی تھی اُسے درجۂ کمال پر پہنچا دیا ہے۔

قصیدہ کے مندرجہ ذیل اشعار بطورِ نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

آہنی پنجۂ تیغش بہ اجل گفت کہ من      موج بر موج شکستم چو بہ عمّان رفتم

---

چمن آید بہ چمن بہر تماشائے جمال      بلبل آید بہ بلبل بہ تمنائے غزل

عرفی کے کلام میں ایسے اشعار کی بھرمار ہے جس میں اس نے نادر ترکیبات کے استعمال سے مضمون میں زور، وسعت و رنگینی پیدا کی ہے۔ اس کی ایسی ہی ترکیبوں کے ایجاد کے سلسلہ میں علامہ شبلی یہ کہنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔

---

[1] مآثرِ رحیمی در ذکرِ عرفی از شعرالعجم ص۹۱

"عرفی ان کی (ترکیبات کی) ایجاد کا خدائے یکتا نہیں تاہم خدا ضرور ہے"۔ [1]

نئی نئی ترکیبوں کے علاوہ اس نے اپنے قصائد میں استعارات و تشبیہات کی جدت و طرفگی کا بھی شدت سے استعمال کیا ہے اور اس کی جدت استعارات و تشبیہ اکثر ایران شاعری کے نقش و نگار ہیں مثلاً :-

زاں طفلِ عشق من ہمہ خوں شد کہ اوفتاد
دوش از دریچۂ دل و امشب ز بام چشم

---

دلم چو رنگِ زلیخا شکستہ در خلوت
غمم چو تہمتِ یوسف دو دیدہ در بازار

---

آسماں دریوزہ کرد و آفتابش کرد نام
لعلے از آویزۂ گوش شب یلدائے من
خوردہ ہر دم صد شکست از فوجِ قدش آشوب حسن
شوق بے ہنگام نازست بے پروائے من

واقعہ نگاری بھی عرفی کے کلام میں اور مخصوصاً اس کے قصائد کا

---

[1] شعر العجم از علامہ شبلی نعمانی جلد صفحہ ۹۲-۹۵

ایک اہم جز ہے۔ وہ کسی بھی واقعہ کو بڑی فصاحت و بلاغت اور دلچسپ انداز میں بیان کرتا ہے۔ مثلاً اس کی زندگی کا وہ اہم واقعہ جب شاہزادہ جہانگیر نے اس کا شہرہ سن کر دربار میں بلایا۔ کس طرح عرفی دربار جہانگیر میں پہونچا اور اس کے بعد شاہزادہ کس طرح پیش آیا۔ ان سارے واقعات کو بڑی خوبی اور تسلسل کے ساتھ ادا کرتے ہوئے کہتا ہے۔

رموز کورنش و تسلیم را ادا کردم
بہ داب مردم دانا و بذلہ سنج و ندیم
نگفت من بشنودم ہر انچہ گفتن داشت
کہ در بیان نگمش کرد بہ زبان تقدیم

عرفی کے قصائد کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے دیگر شعراء کے بر خلاف اکثر قصائد میں ممدوح کی مدح و ثنا کے ساتھ ساتھ اپنے فضائل اور اوصاف بھی جی کھول کر بیان کرتا تھا اور اس کے اس طرح سے خود داری کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ عرفی سے پہلے یا اس کے بعد کے قصیدہ گو شعرا نے اگر بہت ہمت سے کام لیا تو بطور التجا اپنی بیچارگی اور بے بسی کو ظاہر کیا ہے لیکن عرفی اپنی مدح میں دو چار شعر فخریہ لکھ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ شہنشاہ اکبر کی مدح میں جو قصیدہ لکھا ہے اس میں بھی دو چار شعر اپنی تعریف میں بھی لکھا ہے۔ ایک دوسری جگہ لکھتا ہے۔

نازش سعدی بہ مشت خاک شیراز از چہ بود
گر ہمی دانست باشد مولد ما دائمًا مت

شاہزادہ جہانگیر کی مدح کرتے کرتے لکھتا ہے کہ :۔

خدا یگانا ! گویم بمدح خویش دو بیت
کزاں نیارد پیہ ہیز کرد طبع سلیم

ایک دوسرے قصیدے میں عرفی اپنی مدح کچھ اس طرح کرتا ہے کہ :۔

داد یک شہر ز عرفی بستاں کیں مفرور
کبر و نازش بہ اندازہ قدر است محل
نیم تحسیں مکن ار گوید صد بیت بلند
کہ دماغش شدہ از حسن طبیعت مختل
ہر سر موئیش اگر با نشگانی بخرد
سو مناتے ست کہ چیدہ است ولادات ہبل

عرفی کی خود ستائش کی اس طرز سے متاثر ہو کر ہی علامہ شبلی فرماتے ہیں۔

" اہلِ ادب نے انواع شاعری میں فخریہ کو ایک خاص صنف قرار دیا ہے۔ فارسی میں اس خاص صنف میں عرفی کا کوئی ہمسر نہیں، عجیب نئے نئے اسلوب سے فخریہ لکھتا ہے۔" [1]

عرفی کے قصائد کا مطالعہ کرنے کے بعد بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے قصائد میں بہت سے نئے نئے مضامین پیدا کئے ہیں اور

---

[1] شعر العجم از شبلی نعمانی ص۱۰۰

نازک سے نازک خیالات کو بڑی خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ عرفی کے اکثر اشعار میں طرز ادا کی جدت پائی جاتی ہے تو نامناسب نہ ہوگا اور شاید یہی سبب ہے کہ ہر میدان سخن میں طبع آزمائی کے باوجود قصیدہ نگاری میں وہ صف اوّل کا شاعر تسلیم کیا گیا ہے اور خواص و عوام میں اس کے قصائد مقبول و معروف ہیں اور بعد کے آنے والے فارسی شعرا نے اس کے طرز بیان کا اتباع بھی کیا ہے۔

مثلاً ملا عبدالقادر بدایونی تحریر فرماتے ہیں۔

"عرفی کا کلام گلی گلی اور کوچہ میں کتب فروش بیچتے پھرتے ہیں اور اہلِ عراق و ہندوستانی تبرکاً لیتے ہیں۔"

# میرزا حبیب قاآنی

قاجاری دور کے نامور شاعروں میں قاآنی کا نام سرفہرست نظر آتا ہے۔ بقول رضا زادہ شفق اور علامہ شبلی میرزا حبیب قاآنی ۱۲۲۲ھ کے قریب یعنی فتح علی شاہ کے عہد میں بمقام شیراز پیدا ہوئے۔ انکے آبا و اجداد قبیلہ زنگنہ سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ والد کا نام میرزا محمد علی تھا جو خود بھی ایک بلند پایہ شاعر تھے اور گلشن تخلص کرتے تھے۔ قاآنی نے جوانی میں خراسان کا سفر کیا۔ علوم درسیہ کی تکمیل کے بعد یہیں سے اُس کی شاعری کا آغاز ہوتا ہے۔ ابتدا میں حبیب تخلص اختیار کیا۔ جب اُسکی شعر گوئی کی شہرت بڑھی تو میرزا حسن علی شجاع السلطنہ نے جو اس زمانہ میں صوبۂ خراسان کا گورنر تھا اُسے اپنے دربار میں بلا کر اپنا مقرب بارگاہ بنا لیا۔ میرزا نے شجاع السلطنہ کے بیٹے اوکتا قاآن کی نسبت سے قاآنی تخلص اختیار کیا۔ ایک مدت تک قاآنی خراسان اور کرمان میں شجاع السلطنہ کے حضور میں حاضر رہا اور شجاع السلطنہ کی مدح میں قصیدے لکھتا رہا۔ جب زیادہ شہرت حاصل کر لی تو شاہی دربار میں پہونچا۔ محمد شاہ اور ناصر الدین قاچار نے اُس کی بڑی قدر کی چنانچہ آخر عمر تک انھیں بادشاہوں کی مدح

کرتا رہا بالآخر ۱۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ بقول نزاد شفق قاآنی پہلا ایرانی شاعر ہے جس نے فرانسیسی زبان سیکھی۔

میرزا صائب کے بعد قاآنی صفوی اور قاچاری دور کا سب سے بڑا ایرانی شاعر ہے اور بقول رضا زادہ "طرزِ سخن، کلام کی خوبی اور صفائی، الفاظ کے حسنِ انتخاب، بندش اور قدما کی طرز کے اتباع میں اس دور کا شاید ہی کوئی شاعر قاآنی کی برابری کر سکے"۔[۱]

قاآنی کی غزلوں میں بھی استادانہ شان ظاہر ہوتی ہے لیکن خاص طور پر اس نے اپنے قصائد میں بڑی ہنرمندی اور کمال کا ثبوت دیا ہے۔ صاحب تاریخ ادبیات ایران کی رائے کا اتباع کرتے ہوئے علامہ شبلی یوں رقم طراز ہیں۔

"قاآنی کے تمام قصیدے قدما یعنی فرخی، منوچہری، سنائی اور خاقانی کے جواب میں ہیں۔ الفاظ کی بھتات، مرادف الفاظ کا اجتماع، صفت ترصیع اور لف و نشر جو قدما کے خصائص ہیں، ان باتوں میں وہ قدما کا ہمسر ہے۔ ان باتوں کے ساتھ جو قدرت کلام صفائی اور روانی اس کے کلام میں ہے، قدما میں بھی نہیں"۔[۲]

قاآنی نے مسمط اور ترجیع بند بھی لکھے ہیں اور اس فن میں بڑی

---

[۱] تاریخ ادبیات ایران از رضا زادہ شفق ص ۴۸۵ [۲] شعر العجم جلد پنجم از شبلی نعمانی ص ۱۹

کامیابی حاصل کی ہے اور اس کو بڑے اونچے درجہ پر پہونچایا ہے۔ کلام میں عبارت کی حلاوت زیادہ اور فلسفیانہ اور اخلاقی مضامین و معنی کم ہیں۔ اس کے مدحیہ قصیدے بہت ہیں اور یہی اس کے کلام کا شاہکار ہیں۔ اس کے اکثر قصیدے ناصر الدین شاہ کی مدح میں ہیں۔ کلام کی طرز میں خراسانی شاعروں کا رنگ جھلکتا ہے اور خاص طور سے منوچہری کے طرز سے بہت کچھ مشابہ ہے۔ عام طور پر اپنے مدحیہ قصاید کی ابتدا مناظر قدرت سے کرتا ہے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مدح میں جو قصیدہ لکھا ہے اس کی ابتدائی یوں کرتا ہے۔

بگردون تیرہ ابرے بامدادان بر شد از دریا
جواہر خیز و گوہر بیز و گوہر ریز و گوہر زا
چو چشم اہرمن خیرہ چو روی زنگیان تیرہ
شدہ گیتی ہمہ تیرہ بمغزش علتِ سودا

قاآنی نے جو قصیدے بہار کی آمد نوروز کی تعریف اور بادشاہ کی مدح میں لکھے ہیں اچھوتے لطفِ ضمیر اور طبع منیر کا نمونہ ہیں باوجود اس کے کہ وہ سخن پردازی کے تمام مراحل طے کر چکا تھا لیکن اپنے تمام قصیدوں میں اس نے پچھلے استادوں کی پیروی بڑے سلیقہ اور ہنرمندی کے ساتھ کی ہے اور اس طرح کے اشعار کہنے میں قدرت نے بڑی فیاضی کے ساتھ اسے نوازا تھا۔ قاآنی کے اکثر قصیدوں سے پچھلے استادوں کا رنگ نمایاں ہے۔ مثلاً یہ قصیدہ :۔

آنچہ می بینم بہ بیداری نہ بیند کس بخواب
زانکہ در یک حال ہم در راحتم ہم در عذاب

اس قصیدے میں قاآنی نے اس استاد کی پیروی کی ہے جس نے
...ھا تھا۔

این کہ می بینم بہ بیداری است یارب یا بخواب
خویشتن را در چنین نعمت پس از چندین عذاب

قاآنی کے دیوان میں ایسے اشعار کی تعداد زیادہ ہے جو قدیم
...ستادوں کی طرز سے نمایاں طور پر متاثر ہیں۔ ذیل کے قصیدے میں
...اعر نے بہار کی دلفریبیوں کو اور قدرتی مناظر کو اپنے کلام میں جلوہ گر کیا
ہے۔ قاآنی کے اس قصیدے پر منوچہری کے سبک کا اثر نمایاں طور پر
...سوس کیا جا سکتا ہے۔

| | |
|---|---|
| ...ار آمد کہ از گلبن ہمی بانگ ہزار آید | بہر ساعت خروش مرغ زار مرغزار آید |
| ...روش عندلیب و صوت سار و نالۂ قمری | گہی از گل گہی از سرو بن گہ از چنار آید |
| ...ے بیند چمن را بے تامل مرحبا گوید | یکے بوید سمن را مات صنع کردگار آید |

یہ پُر بہار اشعار جنمیں بہار کی ساری رعنائی اور زیبائی کی تصویر الفاظ
...ں اُتر آئی ہے ان سے ظاہر ہے کہ خود شاعر بھی صبح کے دلفریب مناظر سے
...تاثر تھا۔ اس تاثر کو اس نے نہایت جوش و خروش اور روانی کے ساتھ
...لفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ ذیل کے قصیدہ میں بھی شاعر کی اس بہار پرستی
کا جذبہ نمایاں ہے۔

راستی را کس نمی داند کہ در فصل بہار — از کجا گردد پدیدار این ہمہ نقش و

عقلہا حیران شود کز خاک تاریک نژند — چون برآید اینہمہ گلہائے نغز کام

کیست آن صورتگر ماہر کہ بی تقلید غیر — این ہمہ صورت برآرد بی علت و آلت

اس کے علاوہ قاآنی نے اپنے قصائد میں ممدوح کی مدح کے مختلف
نئے انداز پیدا کئے ہیں جن سے لطف اندوز ہونے کے بعد یہ اندازہ ہو
ہے کہ مضامین کو دلکش اور دلفریب انداز میں بیان کرنا صرف قاآنی
ہی حصہ تھا۔ ممدوح کی سخاوت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :۔

بسائل بحر و کان بخشد خطا گفتم جہاں بخشد
گرفتم کو نہاں بخشد ز بسیاری شود پیدا

واقعہ نگاری بھی شاعر کی تمام خصوصیات میں سے ایک ہے۔ قاآ
کی واقعہ نگاری کو دیکھنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے گویا آپس میں بات
ہو رہی ہیں۔ وہ طول طویل واقعات کو لکھتا ہے اور واقعہ کے ایک ا
پہلو پہ روشنی ڈالتا ہے اور سلاست و صفائی اور روانی میں مطلق فر
نہیں آتا۔ اس کے علاوہ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ بات میں با
کچھ اس طرح پیدا کرتا ہے کہ انداز بیان میں ایک حسن پیدا ہو جاتا ہے
مثلاً ذیل کے چند اشعار کے بہاریہ قصیدہ کا نمونہ ہیں۔

ہر چہ گفت از دہن تر شد بشوخی گفتمش — در شمارہ دہ غلط کردم تو از سر می شم

گفت میخواہی مرا دہ بوسہ تا بہ صد — گفت نہ میخواہم صد صد بوسہ تا

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ قاآنی نے اپنے قصائد میں فطری تشبیہا

ستعمال کیا ہے۔ وہ واقعہ نگاری میں ایک خاص طرز کا موجد تھا۔
ں نے قدما کے رنگ میں بے شمار قصائد لکھے بلکہ یہ کہنا کسی حد تک
لغہ نہ ہوگا کہ شاعر کے دیوان کا اکثر و بیشتر حصہ قدما کے رنگ میں
گئے قصائد پر مبنی ہے۔ قدما کے وہ الفاظ جو سینکڑوں برس سے
وک بھے قاآنی نے ان کا بے تکلف استعمال کیا ہے۔ اس طرح انہی نے
رہ شاعری کی وسعت کے ساتھ ساتھ الفاظ کے دائرے کو بھی بڑی
ت دی ہے اور بقول علامہ شبلی وہ قدما کی پیروی کچھ اس طرح
چاہتا ہے کہ مطلق فرق نہ ہو۔ شعر کے زحافات کو جو متروک ہو چکے تھے
لی نے ان کا دوبارہ استعمال شروع کیا اور یہی وجہ ہے کہ قاآنی
نگ تمام ایران پر چھا گیا اور اچھے برے، چھوٹے بڑے سبھی اسی
میں کہنے لگے حالانکہ قاآنی کے درجہ کی پابوسی سے بھی محروم رہے
ل علامہ شبلی :-

"یہ وہ روش ہے کہ قاآنی ہی کے رتبہ کی شاعری ہو تو
لطف دیتی ہے ورنہ بالکل بدمزہ اور خالی الفاظ کا
ڈھیر رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاآنی کے بعد پھر ایران
میں کوئی نامور نہیں ہوا"[1]

---

[1] شعر العجم از شبلی نعمانی جلد پنجم ص ۲۳

# انتخاب از قصائد خاقانی

(۱)

قحط وفاست در بنهٔ آخر الزمان[۱] | هان ای حکیم پردهٔ عزلت بساز هان
در دم سپیده مهرهٔ وحدت بگوش دل | خیز از سیاه خانهٔ وحشت بپای جا
هم با عدم پیاده فرز کن بهشت نطع | هم زی قدم سوار برون کن بهفت خوا
سودای این سواد مکن بیش در دماغ | تکلیف این کثیف منه بیش بر روا
فلسی شمر ممالک این سبزه بارگاه | صفری شمر قذلک این تیره خاکدا
جیحون آفتست بر آن آبگینه پل | که پایهٔ پلاست بر آن غول دیده با
چشم بهی مدار که در چشم روزگار | آن ناخنه که بود بدل شد باستخوا
تو غافل و سپهر کشنده رقیب تو | فرزانه خفته و سگ دیوانه پاسبا
دهر سپید دست سیه کاسه ایست صعب | منگر بخوش زبانی این ترش میزبا
کآن خوشترین نواله از دست او خوری | لوزینه ایست خوردهٔ الماس درمیا
دل دستگاه تست بدست جهان مده | کین گنج خانه را ندهد کس بپایه ما

---

۱ در نعت حضرت رسالت پناه صلعم و فی شکایة و فا زمان گوید

هر لحظه هاتفی بتو آواز میدهد
کین دامگه نه جای امانست الامان

آوازِ این خطیب الهی تو نشنوی
کز جوش غفلت ست ترا گوش دل گران

اول بیار شیر بهای عروس فقر
دانگه ببر قبالهٔ اقبال رایگان

خاتون دار ملک فریدونش خوان که نیست
کابین این عروس کم از زر کاویان

تا بر در تو مرکب فقر ست ایمنی
کاحداث را سوی تو جنبیت نشود روان

شمشاد و سرو را نتوزد خزان چه باک
کز گرم و سرد لاله و گل را رسد زیان

از فقر ساز گلشکر عیش بدگوار
در زفافه خواه مهرهٔ تپ جان ناتوان

از این وآن دوا مطلب چون مسیح هست
زیرا اجل گیاست عقاقیر این و آن

مگذار شاه دل بدر مات خانه در
زین در که هست در روز عزلت فردنشان

خرسند شو بملکت خرسندی از وجود
خاسر شناش خسرو طاغی شمر طغان

اسکندر و منعم ملک دو دو روزه عمر
خضر شعار مفلسی و عمر جاودان

بی طعمه طمع بسر آور چه کرم بید
چون کرم پیله سر چه کشی در سر دهان

زنبور خانه طمع آلوده شد مشور
زنبور وار بیش مکن زین و آن فغان

هر جنس در عدم طلب اینجا مجوی از انکه
نیلوفر از سراب نداد ست کس نشان

خود باش انیس خود مطلب کس که پیل را
هم گوش بهتر از پر طاؤس پشه ران

دامی چه کن ز نان خورش و خورش کن آرزو
سیمرغ وش ز ناکس و کس کم کن آشیان

خود را درم خرید رضای خدای کن
دامان ازین خدای فردشان فرونشان

پرواز در هوای هویت کن از خرد
بر پلهٔ هوا چه کنی بر تل هوان

از لا رسی بصدر شهادت که عقل را
زاها و هوست مرکب لاهوت زیر ران

لا زال شد از دهای دو سرتا فرو خورد — هر شرک و تنگ که در ره الا شود عیان

بنمود صبح صادق دین محمدی — هین در شناس باش چو خورشید ده زبان

و نداشتهای تاج بقا شرع مصطفاست — عقل آفرینش از بن دندان کند ضمان

هر داستان که آن نه ثنای محمد نیست — دستان کاهنان شمر آن را نه داستان

آنجا که دم کشاد سرافیل دعوتش — جان باز یافت پیر سراندیپ در زمان

وآنجا که کوفت دولت او کوس لا اله — آواز قد صدقت به آمد ز لا مکان

آن شاهد لعمرک و شاگرد فاستقم — مخصوص قم فانذر و مقصود کن فکان

آدم بگاهواره او شیرخوارهٔ — ادریس هم بمکتب او گشته درس خوان

در دین شفای علت عالم برای خلق — زی حق شفیع زلت آدم پی جنان

هم عیب را بعالم اسرار پرده پوش — هم غیب را ز عالم اسرار ترجمان

او سرو جویبار الهی و نفس او — چون سرو در طریقت هم پیر و هم جوان

او آفتاب عصمت و از شرم ذوالجلال — نفگنده بر بیان قلم سایه بنان

مه را دو نیم کرده بدست چو آفتاب — سایه نه بر زمینش و از ابر سایه بان

گه با چهار پیر زبان کرده در دهن — گه با دو طفل در دهن افگنده ریسمان

مهر آزمای مهرهٔ بازوش، جان و عقل — حلقه بگوش حلقهٔ گیسوش انس و جان

حبل الله است معتکفان را دو زلف او — هم روز عید و هم شب قدر اندرو نهان

قدرش مرقعیست بریں سقف لاجورد — فرشش رفوگریست بریں فرش باستان

بر بام سدره تا در ادنی فگنده رخت — روح القدس دلیلش و معراج نردبان

جبریل هم بنیم ره از بیم سوختن — بگذاشته رکابش برتافته عنان

جنت ز شرم طلعت او گشته خارست — دوزخ ز گرد ابلق او گشته گلستان

جبریل هم به نیم ره از بیم سوختن | بگذاشته رکابش و برتافته عنان
خورشید بر عمامه او بر فشانده تاج | بر جبین به رداش فدا کرده طیلسان
آنجا شده بیکدم و کرده باز گشت | زانجا هزار سال رهش بود تا جهان
خواهی که بیخ نوبت الصابرین زنی | تعلیم کن ز چار خلیفه طریق آن
از صادقین دو خاطبانی قانتین ادب | از متقین حیا و ز مستغفرین بیان
همچون درخت گندم باش از برای فرض | گه راست گه خمیده و جان بسته بر میان
گه در سجود باش چو در مغرب آفتاب | گه در رکوع باش چو بر مرکز آسمان
از جسم بهترین حرکاتی صلوٰة و بین | وز نفس بهترین سکناتی صیام دان
یارب دل شکسته و دین درست ده | کانجا که این دو نیست و بالیست بیکران
خاقانی از زمانه بفضل تو در گریخت | او را امان ده از خطر آخر الزمان
زان پیشتر کاجل ز جهان وا رهاندش | از ننگ حبس خانهٔ شروانش وارهان
کز خواندهٔ سعادت عقباش رد مکن | در وادهٔ مونت دنیاش داستان

(۲)

ما صبح[۱] پای صبر بدامن در آورم | بر کار عجز گرد سر و تن در آورم
از عکس خون قرابه بر می شود فلک | چون جرعه ریز دیده بدامن در آورم
هر دم هزار بچه خونین کنم بخاک | چون نعمتان دیده بزادن در آورم

[۱] قصیده که در حالت حبس انشا کرده است و فی المعنی هو فی نعت رسول است

از زعفران چهره نگه نشره کنم
کابستنی به بخت ستردن در آورم

دانم که دهر خط بلا بر سرم کشد
داند که سر بخط بلا من در آورم

چون آه آتشین زنم از جان آهنین
سیماب وش گداز یا آهن در آورم

غم در جگر زد آتش بر زین مراد من
از آب دیده دجله بپیرزن در آورم

غم بیخ عمر من برد و من ببرگ آن
دستی بشاخ لهو بصد فن در آورم

طوفانم از تنور بر آمد چه سود از انکه
دامن چو پیرزن نهبن در آورم

شد روز عمر زان سو بیشی زردی نیست
کین روز رفته باز به روزن در آورم

با من فلک به کین سیاوش و من ز عجز
اسپی زنی بجرب تهمتن در آورم

چون کوه خسته بیعه کنندم بجرم آنکه
فرزند آفتاب بمعدن در آورم

از جور هفت پردهٔ ازرق باشک لعل
طوفان بهفت رقعه ادکن در آورم

از کشت زار چرخ و زمین کین دو گاو راست
یک جو نیافتم که بخرمن در آورم

از چنگ غم خلاص تمنا کنم ز دهر
کافغان بنای حلق چو ارغن در آورم

چون زال بستهٔ قفسم نوحه زان کنم
تا رحمتی بخاطر بهمن در آورم

نی نی که با غم است مرا انس لاجرم
مریم صفت بهار به بهمن در آورم

نه شگفت اگر چه آهوی چین مشک بر وهم
چون سر بخورد سنبل و بهمن در آورم

چون دم بر آرم از سر زانو بباغ دل
از شاه سدره مرغ نوازن در آورم

زانو کنم رصدگه و در بیع خان جان
صد کاروان درد معین در آورم

غم بختی ست توسن و من بار کاروان
وز خان به پشت بختی توسن در آورم

دل تنگ تر ز دیدن سوزن شدست و من
بختی غم بدیدهٔ سوزن در آورم

غم تخم خرمیست که در ریگ دل افگنم
در دلیست جنبش می که بیکدن در آورم

عنقای مغربم بغریبی که بهر الف
غم را چو زال زر به نشیمن در آورم

در گلشن زمانه نیابم نسیم انس
دود از سموم غصه به گلشن در آورم

فقرست پیر مائده افگن که نفس را
بر آستان فقر ممکن در آورم

آب حیات ز آتش گلخن دمد چو باد
گر نقش خاک پاش به گلخن در آورم

آری ز هند عود قماری برون برم
گر حملها به سند ز ردئین در آورم

چندین نفس لصیفهٔ اهل صفا زدم
یک چندلی بدیه به بهمن در آورم

چون کار عالم است شتر گربه حق بکف
گه سبحه گاه ساغر روشن در آورم

از هزل و جد چو طفل بنگر بزدم که دست
گاهی به لوح و گه به فلاخن در آورم

جنسی بنما بکس من و زندان که بهر راه
چون رخش نیست پای بکودن در آورم

آهوی مشک نیست چه چاره ز نگا و بنه
کز هر دو برگ عنبر ولادن در آورم

چون چرخ سرفگنده زیم گرچه سر دهم
آغوش از آن بخاک فروتن در آورم

دشمن مرا شکسته کند و دست دارمش
حاشا که من شکست به دشمن در آورم

تهدید تیغ می دهد آوخ کجاست تیغ
تا چون حلیش دست بگردن در آورم

کانرا که تیشه رخنه کند فضل کان نهم
رخنه چرا به تیشه کان کن در آورم

در دیولاخ آز مرا مسکن است و من
خط فسون عقل به مسکن در آورم

همت شود حجاب میان من و نظر
گر من نظر بعالم زمین در آورم

آسیمه سر چو گاو خراشم که چشم بند
نه گذاردم که چشم به وعش در آورم

پروانه‌ئی که سوزم و دم بر نیاورم
قمری نیم که طوق به گردن در آورم

در بوی و رنگ دهر نه پیچم که ره روم — ارقم نیم که پای بچندن در آورم

من نامه بر کبوتر را هم نه همرهان — بازا نیم که طبع بارزن در آورم

گر خاص قرب حق نشوم واثقم بدانکه — زحمت امان بخلد مزین در آورم

جان و دل خرد برسانم بباغ خلد — آخر مثلثی بمثمن در آورم

چون خر مگس نه جیفه دخش طمعه چون کنم — نحلم که روزی از گل و سوسن در آورم

چون قوتم آید زوکند از گرم و سرد چرخ — بر خوان جان دو نان ملون در آورم

با آنکه قانعم چو سلیمان ز مهر و ماه — نان ریزها چو مور به مسکن در آورم

نسرین برا نخوشه پروین به پرورند — تا من بخون دو مرغ مسمن در آورم

مرد توکلم نه زنم در که ملوک — حاشا که تنگ به بخشش ذوالمن در آورم

آنکس که داد جان ندهد نان بلی دهد — پس کفر باشد ار بدل این ظن در آورم

چون موسیم شجر دهد آتش چه حاجت است — کاتش ز تیه وادی ایمن در آورم

گردون ناکس ار نخرد فصل من رواست — نقصی چرا بفضل مبرهن در آورم

بهرام وار گر بمن آرند و گندان — غارت چرا به تیغ و بجوشن در آورم

زان غم که آفتاب کرم مرد برق وار — شب زهره را چو رعد بشیون در آورم

این پیرزن هنوز عروس کرم نزاد — پس سر چرا بخطهٔ این زن در آورم

گفتم ترک مدح سلاطین مبین از آنکه — سحر مبین به شعر مبین در آورم

گوشه طغان جود که من بهرا تکلے — پیش زبان بگفتن سن سن در آورم

خاقانی مسیح دمم پس به تیغ نطق — همچون کلیم رخنه بالکن در آورم

بهر دونان ستایش دونان کنم مباد — کاب گهر بسنگ خماهن در آورم

۱ چون موی خوک در زنّار ترسا بود چرا — تار ردای روح بدرزن در آورم
هم نعت حضرت نبوی کان نکوتریست — کین لعل هم بطوق بگردن در آورم
کحال دانشم که برند اختران به چشم — کحل الجواهری که بهاون در آورم
گفتم روم بمکه و جویم در آب حرم — گنجی که سر بحصن محصن در آورم
چون نیست وجه زر نکنم عزم مکه باز — جلباب نیستی بسر و تن در آورم
تبریز غم فزود مرا آرزوم هست — کین غم بآرزوم و بارمن در آورم
خوش مقصدیست ارمن و خوش مامن آرزوم — من رخت دل بمقصد و مامن در آورم
منت برد عراق و ری از من بدین دو جای — بحری ز نظم و نثر مدون در آورم
بس تشکر ز منیژه و گیوم رسد که من — شمعی بچاه تیرهٔ بیژن در آورم
چون مور سازخانه با خلاط در کشم — چون مرغ برگ خانه بروزن در آورم

(۳)

سنت عشاق[۱] چیست برگ عدم ساختن — گوهر دل را ز تف مجمر غم ساختن
بدرقه چون عشق گشت از پی پیما تاختن — تفرقه چون جمع گشت با کم و کم ساختن
گر چه نوای جهان خارج پرده رود — چون تو درین مجلسی با همه دم ساختن
پیش سر سران آب ده دست باش — تاب مسلم بود پشت بخم ساختن
نزد فسرده دلان قاعده کم کن چو ابر — با دل آتش فشان چهره دژم ساختن

---

۱؎ قصیده مشتمل بر نعت گوید۔

نتوان در خط دهر وفا یافتن ‌‌ ‌ ‌ ‌ در نتوان بر سطح آب نقش قلم ساختن

عمر نه دلاف عیش سرد بود همچو صبح ‌ ‌ ‌ ‌ از پی یک لحظه عمر چتر و علم ساختن

تا کی در چشم دعقل خار مغیلان زدن ‌ ‌ ‌ ‌ تا کی در رهٔ نفس باغ ارم ساختن

رخش بهرای زر بردن در پیش دیو ‌ ‌ ‌ ‌ پس چرا فگنده سم مرکب جم ساختن

دل زامل دور کن زانکه نه نیکو بود ‌ ‌ ‌ ‌ مصحف وافسانه را جلد بهم ساختن

بر در شهوت مدار عقل که نا خوش بود ‌ ‌ ‌ ‌ بر سر ژند مغان بسم رقم ساختن

چند رصد گاه دیو بر در دل داشتن ‌ ‌ ‌ ‌ چند قدم گاه پیل بیت حرم ساختن

بر سر خوان جهان چند چو بر بط مقیم ‌ ‌ ‌ ‌ سینه و دل را زآز جمله شکم ساختن

چند چو مار از نهاد باد و زبان زیستن ‌ ‌ ‌ ‌ چند چو ماهی بشکل گنج درم ساختن

زر چه بود جز صنم پس نه پسندد خدا ‌ ‌ ‌ ‌ دل که نظر گاه اوست جای صنم ساختن

هین که در دل شکست زلزله نفخ صور ‌ ‌ ‌ ‌ گوش خرد شرط نیست جذر اصم ساختن

زین دم معجز نما مگذری خاقانیا ‌ ‌ ‌ ‌ کز سر این دم توان زاد عدم ساختن

گر چه زر دی قضا به تو ستمها رود ‌ ‌ ‌ ‌ جز به رضا دادی نیست دفع ستم ساختن

یوسف دلها توئی کائت لست از سخن ‌ ‌ ‌ ‌ پیش گرسنه دلان خوان کرم ساختن

چون بشماخی ترا کرد قضا شهر بند ‌ ‌ ‌ ‌ نام شماخی توان مصر عجم ساختن

غم ز جهان عبره کرد عبرت تو این بس است ‌ ‌ ‌ ‌ نتوان با مرگ غم برگ نعم ساختن

چون تو طریق نجات از در غم یافتی ‌ ‌ ‌ ‌ شرط بود قبله گاه مرکز غم ساختن

چون بدر مصطفی نائب حسان توئی ‌ ‌ ‌ ‌ فرض بود لعنت اوجز امم ساختن

(۴۲)

[له] عید است بیش از صبحدم مژده بخمار آمده
بر چرخ دوش از جام جم یک نیمه دیدار آمده

عید آمد از خلد برین شد صحن روی زمین
هان ماه نو طغراش بین امروز دو گالر آمده

کرده در آن خرم فضا صید گه زنان چند جا
شاخ گوزن اندر هوا اینک نگونسار آمده

پرچم ز شب پرداخته از طاس پرچم ساخته
بیرق ز صبح افراخته روزش سپهدار آمده

بر چرخ بگشاده کمین دمغش نهاده بر سرین
هان عین عید اینک ببین بر چرخ دوار آمده

عهد همایون فر نگه سیمرغ زرین بر نگه
ابروی زال زر نگر بالای کهسار آمده

از گرد راهش آسمان تر مغز گشته آن چنان
کز عطسهٔ مغزش جهان پر مشک تاتار آمده

گیتی ز گرد لشکرش طاوس بسته زیورش
در شرق زنگین پرش در غرب منقار آمده

پی گم کنان سی شب دوان از چشم قبلیا پنهان
وز دیده در کوی مغان نزدیک خمار آمده

ساقی صنم پیکر شده باد صلیب آور شده
قندیل از او ساغر شده تسبیح زنار آمده

هر پی ز کلکش عنبری هر می ز بویش کوثری
هر خوی ز رویش عبهری بر برگ گلنار آمده

ریحان روح از بوی وی می جام فتوح اندر وی
بزم صبوح از خوی وی فردوس کردار آمده

می عاشق آسا زرد به همرنگ اهل درد به
در در صفا پرورده به تلخ شکر بار آمده

خورشید رخشان است می زان در دل زا نست آمی
جز جو همه جانست می فعلش بزدار آمده

آن جام جم پرورد کو آن شاهد رخ زرد کو
آن عیسی هر درد کو تریاک بیمار آمده

---

له در مدح جلال الدین بصنعت ذی المطالع -

می آفتاب زرفشاں جام بلور شد آسماں      مشرق کف ساقیش داں مغرب لب یار آمده
در ساغراں صہبا نگر در کشتی آں دریا نگر      بر خشک و تر صحرا نگر کشتی بہ رفتار آمده
مطرب چو طوطی بوالہوس انگشت و لب در کار بس      از سینہ بربط نفس در حلق مضمار آمده
آں آبنوسی شاخ بیں مار شکم سوراخ بیں      افسون نغمہ گستاخ بیں لب بر لب مار آمده
بربط چو عذرا مریمی کابستنی دارد ہمی      از درد زادن ہر دمی در نالہ زار آمده
نالاں رباب از عشق می در سینہ بستہ دست وی      بر ساعدش چوں خشک نی رگہائے بسیار آمده
آں چنگ ازرق ساز بیں از ترسہ در منقار بیں      در قید گیسو تار بیں پا پیش گرفتار آمده
آں لعب دق گرداں نگر در شکار رستاں نگہ      واں چند صف حیواں نگر باہم بہ پیکار آمده
کبکاں بہ بانگ زیر و بم چنداں سماع آورد ہم      کال تا حلق نازکشاں ز دم تا سینہ افگار آمده
راز سلیمانی شنو زاں مرغ روحانی شنو      اشعار خاقانی شنو چوں در شہوار آمده
صفہای مرغاں کن نگہ در صفہای بزم شہ      چوں عندلیباں صبح گہہ فصال گلزار آمده
واں کوس عیدی بیں تواں بر درگہہ شاہجہاں      مانند طفل لوح خواں در درس تکرار آمده
جام و می رنگیں بہم صبح و شفق رابیں بہم      تخت جلال الدین بہم کیخسرو آثار آمده
شروان شہ سلطان نشاں افسردہ گردن کشاں      دستش سحاب زر فشاں چوں لعل دلدار آمده

## مطلع ثانی

ای یاد دل سودائیاں عشق ترا کار آمده      ترکان غمزت را جان دلہا خریدار آمده
آئینہ بردار و بیں آہ غمزہ سحر آفریں      باز ہر پیکان در کمین ترکان خونخوار آمده
تو بادی و من خاک تو تو آب و من خاشاک تو      با خوی آتش ناک تو صبر من آوار آمده
گیرم ندہی داد من در دزی نیاری یاد من      بشنو شب فریاد من داغ شب تار آمده

ای خون من در گردنت زین پیش یاد آورده دست — وز دست زود آزردنت جانم به بازار آمده

هم خواب خرگوشم دهی خار جگر سوزم نهی — ای از تو آغوشم تهی خوابم همه خوار آمده

خاقانی و درد نهان خون دل از ناخن روان — وز ناخن غم هر زمان مجروح رخسار آمده

او بلبل است ای دلستان طبعش چو شاخ گلستان — در مجلس شاه اخستان لعل و گهرش بار آمده

## مطلع ثالث

مهر است باز رین صدف خرچنگ را یار آمده — خرچنگ ناپروا از تف پروانه نار آمده

بیمار بوده چشم خور سرطانش داده زور و فر — معجونی سرطانی نگر داروی بیمار آمده

آن کعبه محرم نشان آن زمزم آتش فشان — در کاخ مه دامن کشان یک مه به پرواز آمده

هر سنگ را گر ساحری کرده صبا میناگری — از خشت زر خاوری میناش دینار آمده

شمع روان بین در هوا آتش فشان بین در هوا — بر کرکسان بین در هوا پروا از دشوار آمده

خورشید زرین دهره بین صحرای آتش چهره بین — در مغز افعی مهره بین چون دانه نار آمده

روی سپهر چنبری بگرفته رنگ عنبری — بر آینه اسکندری خاکستر انبار آمده

هر فرش سقلاطون که مه صباغ او بوده سمه — از آتش گردون سیه چون داغ قصار آمده

آفاق را از جرم خور هم قرص و هم آتش نگر — هم مطبخ و هم خوان زر هم میده سالار آمده

گر بلبل بیار گو مست از فراق گل گلو — گلگون صراحی بین در او بلبل بگفتار آمده

گرمی دهی ممزوج ده کین وقت می ممزوج به — با می گلاب ناب نه چون اشک احرار آمده

کافور خواه بید تر در خیش خانه باده خور — با ساقی فرخنده فر زد خانه فرخار آمده

با ورد و ریحان کن طلب تو زی ترکستان کن سلب — ور می گلستان کن در لب آنجا که اخیار آمده

گه گه کن از باغ آرزو آن آفتاب زرد رو — پیرامنش ده ماه نو هر سال یک بار آمده

چرخ از سموم گرم گه زاده وبا هر چاشتگه ... در دفع وبا را جام شه یاقوت کردار آمده

تریاک ما چهر ملک پور منوچهر ملک ... با طاعن مهر ملک طاعون سزاوار آمده

خاقان اعظم چون پدر شاه کیان همچون پدر ... فخر دو عالم چون پدر وز عالمش عار آمده

گردون روان در کار او چون سایه در زنهار او ... خورشید در دیدار او چون ذره دیدار آمده

از بوس لبهای سران بر پای اسپ اختسان ... از نعل اسپش هر زمان یاقوت مسمار آمده

عدلش بدان سامان شده کاقلیمها یکسان شده ... شکر بهندستان شده طوطی بلغار آمده

رائیش چون دست موسوی در ملک برهانی قوی ... دادش چو باد عیسوی تعویذ انصار آمده

شمشیر او قصار کین شسته بخون روی زمین ... پیکان او خیاط دین دل دوز کفار آمده

سام نریمان چاکرش رستم نقیب لشکرش ... هوشنگ هارون درش جم حاجب بار آمده

مردان علوی هفت تن درگاه او را بوسه زن ... خصمان سفلی چار تن پیشش پرستار آمده

با تیغ گردون پیکرش گردون شده خاک درش ... وز رای گیتی داورش گیتی نمودار آمده

با دولت شاه اختسان منوچهر دان هر داستان ... کز خسروان باستان در صف اخبار آمده

تیرش که دستان ساخته زو رجم شیطان ساخته ... عقرب ز پیکان ساخته تنین ز سوفار آمده

هر تیر او بر تیر او پر پری در صفدری ... تیغش چو تیغ حیدری از خلد اسرار آمده

از نور بد خواهانش خاک از ظلمت چه خاکی پاک ... آنرا که خصمش جان پاک از نور انوار آمده

زا سر ارمشتی یا زپس رانده بکین او نفس ... پیکانش چو پر مگس در چشم اشرار آمده

ناکرده مکر بکیان جان محمد را زیان ... چون عنکبوتی در میان پرده غار آمده

ای خانه دار ملک و دین تیغت حصار ملک و دین ... بهر عیار ملک و دین رای تو معیار آمده

پیشت صف بهرامیان بسته غلامی را میان ... در خانهٔ اسلامیان عدل تو معمار آمده

ای چنبر کوست فلک کرده زمین پوست فلک ... وز خصم منحوست فلک چون بخت بیزار آمده

نیکان ملت را بدین یاد تو تسبیح مهین — پیکان نصرت را کمین عزم تو هنجار آمده

یادت ز غایات هنر بر عرش رایات خطر — در شأنت آیات ظفر از فضل دادار آمده

تابع فلک فرمانت را دربان ملک ایوانت را — سرهای بدخواهانت را هم رمح تو دار آمده

لاف اندرت اسلام را فال از همت ایام را — تا ابلقت بهرام را از چرخ مضمار آمده

از مدح تو اشعار من سر رونق فزا در کار من — دولت همیشه یار من با بخت بیدار آمده

من جان سپار مدح تو صورت نگار مدح تو — با آب کار مدح تو از نظم ابکار آمده

امروز احرار زمن خوانندم استاد سخن
صد عنصری در پیش من شاگرد اشعار آمده

---

# انتخاب از قصائد ظہیر فاریابی

(۱)

نشست خسروی زمین باستحقاق[1] — فرازِ تختِ سلاطین مدارِ ملکِ عراق
خدایگانِ ملوکِ زمانہ نصرة الدین — کہ ہست افسرِ شاہی بطلعتش مشتاق
پناہ و ملجاءِ عالم اتابک اعظم — کہ عالمی دگرست از مکارمِ اخلاق
رضاش خط دوام از صحیفۂ اعمار — سخاش باز گرفت از جریدۂ ارزاق
فلک بطوع تقرب کند بخدمت او — چو دوستان بہ مدار او دشمنان بنفاق
ایا شہی کہ بہنگام کین و شاقانت — مجرّہ را بدو انگشت بگسلند نطاق
چو طاق و جفت زنند از طریقِ لعب کنند — بتیر تنہا جفت و بہ تیغ سرہا طاق
کسیکہ جفت نداند نہ خسروان خود را — نہد بہ پیش تو دعوئ خسروی در طاق
شکوہ تیغ تو در رزم بیم آں باشد — کہ از طبیعتِ آتش برون برد احراق
بیک ثبات کہ ہنگام کار ینمودے — بہ بری و لطفِ در آمد جہان جانی و عاق
گرفت عرصۂ ملک تو بسطتی کہ دگر — درو محیط نہ گردد دوائرِ آفاق
اگر زپاے در آید زمانہ باکی نیست — تو شاد زی کہ درست ست دولت را ساق

---

[1] در مدح تخت نشستن نصرة الدین

ببازوی تو ندارد خطر گرفتنِ ملک
بہ آسمان شدن آساں بود بپایے براق

نہیب رمح تو در سینہ ہا گزید وطن
خیال دیدہ تو در دیدہا گرفت وثاق

بجور خصم ز دست تو تیر بیتی نہ چنانکہ
بعمر تلخیٔ آتش برون شود ز نداق

دوید در دل و چشم عدو مہابتِ تو
چنانکہ آتش سوزندہ در دلِ حراق

بنوک نیزہ رگ جانِ دشمنان بگشائے
کہ از حرارت این غصہ شان گرفت خناق

گر آفتاب کہ یک چشم دارد از مشرق
نگہ کند سوے ملک تو جز بچشم وفاق

بیاد حملہ ز گوشش بر آورے پنبہ
بنوک نیزہ ز چشمش برون بری شزناق

ز ہیبت تو دل دشمنان برون نبرد
چنان بود کہ دل عاشقان ز بیم فراق

اگر بوقت مقاسات گرم دہرد مصاف
نیایدت مدد از ہیچکس علی الاطلاق

شگفت نیست کہ پولاد را نیاید باد
بوقت خوردنِ زہر از منافع تریاق

ـر بوی کوس و نفیر مبارزان در رزم
بود بگوش تو خوشتر ز پردہ عشاق

ـر دکنند نظارہ ساکنانِ فلک
بروز مجلسِ تو سر ز گوشہ ہای رواق

ـربیران فلک آنزمان نطق بزنند
کہ از ضمیر تو صدرہ کنند استنطاق

ـنظم ملک ترا ہیچ در نمی یابد
چنانکہ نظم مرا از جزلات اغلاق

ـبنیں عروس سزاوار چو تو شاہ بود
برائے مہر گران نیست مستحق طلاق

ـمیشہ تا کہ مہ و مہر را محاق و کسوف
بود ز گردش این چرخ ازرق زراق

ـساس عدل تو در عالم آنچنان بادا
کہ مہر و ماہ شوند ایمن از کسوف و محاق

ـبادہ دولتِ باقیت تا ابد میعاد
گرفت ہمت عالیت با ازل میثاق

(۲)

چو ماه یک شبه بنهفت چهره از نظرم[۱] — مه دو هفته در آمد به تهنیت ز درم

برادم مژدهٔ عید از لطف چنانکه گرفت — ز فرق تا بقدم جمله در گل و شکرم

مرا ز شادی رویش بسینه باز آمد — دلی که مردهٔ و زنده نبود از و خبرم

چو خاک در کف پایش فتادم از خواری — اگر چه از سر تحقیق سر بسر گهرم

بلا به گفتمش آخر زمانکے بنشیں — مگر بوصل تو بنشیند آتش جگرم

یک امشبی تو مهمان من بباش که من — ز روی خوب تو مهمان زهرهٔ و قمرم

ز اهل عشق تکلف طمع نشاید داشت — به پیش خدمت تست آنچه هست ما حضرم

دلم حمایتے زلف تست زو بگذر — که نیست زهرهٔ آنم که سوے او نگرم

حدیث جان نکنم کو گداے آن نکند — فدای یک قدمت گر بود دو صد دگرم

پسند کن بلب خشک و دیدهٔ تر من — که در دو گیتی ازین بیش نیست خشک و ترم

مرا امید وصال تو زنده مے دارد — و گر نه بے تو نه عیشم بماند و نے اثرم

بسی بگفتم ازین جنس و هیچ سود نداشت — کز اشک و چهره همی دید نقد سیم و زرم

بخواست ناله و زاری ز من چو او برخاست — برفت بر اثرش او برفت دل از برم

رخش که تابش خورشید ذره داران داشت — گذاشت چون علم عید در جهان سمرم

چگونه قصهٔ من در جهان سمر نشود — که هر کجا که نشینم برین فسانه درم

---

[۱] در مدح عضد الدین طغان شاه۔

زبهر خدمت عید خود همین قصد ست
که جان بزم جهان پهلوان بتحفه برم

ملک نشان عضد الدین که از مدائح او
همیشه بر سر گنج و جواهر و دُرَرم

طغان شه ابن موید که گوید ورسدش
که هست منطقهٔ چرخ حلقهٔ کمرم

شها بہ چہ برق زند گوهریست از تیغم
قمر چو نور دهد قبهٔ ایست از سپرم

من آن تهمتن دریادلم که وقت صبوح
بود ذخیرهٔ کانها عطای مختصرم

جهان مقر شد و ایام اعتراف نمود
که من خلاصهٔ تائید و مایهٔ ظفرم

منم که بر رخ گیتی چه روز مشهور ست
همه فضائل جدّ و مناقب پدرم

اگر سپهر بپوشد ز رای من رازی
چو جیب صبح همه پرده‌های او بدرم

بیفگنند پر و بال کرگسان فلک
همان زمان که به بینند تیر چاره پرم

به پیش من صف دشمن چگونه دارد پای
که لحظه لحظه ز اقبال میرسد خبرم

چو عون و عصمت ایزد مرا سپر باشد
ز زخم حادثه حاجت نیوفتد حذرم

ز حرص زر چو شهان نام و ننگ بفروشد
منم که ملک جهان را بنیم جو نخرم

به پیش من بتواضع بساعتی صدره
زمانه خاک شود تا قدم بدو سپرم

هر آنچه گویم ازین جنس لاف و دعوی نیست
که هست قدر الهی گواه معتبرم

خدایگانا هر چند زحمتت باشد
ز حال قصهٔ خود حرف حرف بر شمرم

گمان نبود مرا بیش ازین که باقی عمر
بود ز خاک جناب تو حاجت سفرم

کنون زمانه بر آنست کز غبار درت
کند گسسته بکلّی وظیفهٔ بصرم

ز دل بر آمدم اکنون ورودی آندارم
که گر نطق بزنم تا بجان بود خطرم

اگر ضرورت از نیسان نگردم دامن
چگونه دل دهدم کز در تو درگذرم

بآرزو طلبیدم همیشه خدمتِ تو — روا مدار که زین آرزو رسد ضررم

مرا بچربک صاحب غرض زبیخ مکن — که من بباغ فصاحت درخت باروَرم

زجوے لطف و کرم آب ده مرا و ببین — که عاقبت تو چه بر یا خوری ز بار و برم

زمن ملوک جهان نام نیک زنده کنند — بقول مرده دلان بر میان مزن تبرم

مرا تو با همه عیبی خریده مفروش — که چون بگوهرِ حقیقت روی همه هنرم

اگر بجیز دگر سرفراز یم نرسد — همین بس ست که بر آستان تست سرم

بحضرت تو من از بهر نان نیامده ام — که جایگاه دگر نیز بود اینقدرم

مبر به بیش خرد آبروی من پیرا زیں — حدیث نان بزبان آورم ز ننگ تبرم

تو بر بخور ز جوانی و پادشاهی خویش — که من به دولت تو زهر چه ز شکر بخورم

(۳)

شهے[1] که ملک تفاخر کند بگوهر او — بر ید عالم غیب ست راے انور او

خدایگان ملوکِ زمانه نصرالدین — که بوسه جاے سپهر ست دست و خنجر او

سر ملوک ابوبکر بن محمد آنکه — مزین ست رواق فلک ز منظر او

پناه دولت عباسیان که مهر سپهر — بر ند وقت حوادث پناه بر در او

سهیل گوشه نشینے بود ز دولت او — سماک نیزه گذارے بود ز لشکر او

شهنشهے که سراسر صحیفهاے فلک — بروز عرض بود یک ورق ز دفتر او

---

[1] در مدح نصرة الدین ابوبکر بن محمد۔

هلال حلقه شود روز عید در میدان
به پیش رمح فلک سای و ملک پرور او

بسرفرازی ازان پایه سرگذشت که نیز
همای سایه تواند فگند بر سر او

جهان چو خطبه بنامش کند کواکب سعد
کنند درج سعادت نثار منبر او

ز بزم او چو معطر شود مشام جهان
فلک عرق کند از شرم بوی مجمر او

همیشه نصرت تائید پیش رو آید
بهر طرف که رود رایت مظفر او

بماند دشمن دجال صورتش در گل
چو خر ز صاعقهٔ گرز گاو پیکر او

بزیر پردهٔ ایام هیچ راز نماند
که همچو روز نشد بر دل منور او

بدور عالم ازین آب و خاک ترکیبی
نکرده اند بر از طینت مطهر او

کسی که در خور ملکست اوست در عالم
کنون بگوی که ملکی کجاست درخور او

خدایگانا دانی که کیست درخور ملک
کسیکه عزم و غنیمت یکی بود بر او

بیاد ملک چو آب حیات نوش کند
اگر ز خون عدو پر کنند ساغر او

فلک مشام کسی خوش کند ز بوی مراد
که خاک معرکه باشد عبیر و عنبر او

عروس ملک گرامی ترست زانکه بود
برون ز گوهر شمشیر شاه زیور او

مدار دولت و دین بر محیط آن فلکست
که رمح خطی شاهیست خط محور او

ترا بیک حرکت کشوری در افزاید
چو را سپه نکشی بر عدو و کشور او

اگرچه خصم تو دعوی سلطنت سازد
زمانه گرد بر آرد ز تخت و افسر او

تراست حجت قاطع بدست یعنی تیغ
چگونه پیش رود دعوی مزور او.

عدوت اگرچه نماید چو خار سر تیزی
شود چو غنچه ببادی دریده مغفر او

کسیکه خاک جناب تو نیستش بالش
برون ز خاک بسازد زمانه بستر او

همیشه تا ز دل اندر جهان کون و فساد | بود مسخر دوران چرخ و اختر او
بعون عصمت حق دولتت چنان بادا | که چرخ از بن دندان شود مسخر او

(۴۸)

نبشا[1] شدت نفسی در سرانه کله داری | که سر بکلبهٔ احزان ما فرود آری
بدین قدر دل ما هم نگه نخواهی داشت | چه دلبری که ترا نیست شرط دلداری
بحسن خویش بدین مایه گشتهٔ خرسند | که سینهٔ بخلی یا دلی بیازاری
مرا که پشت من از بار محنت است دوتا | فراق روی تو در میخورد بسر باری
بیا ببین که ز بهر نثار مقدم تو | دو چشم من بچه سان میکند گهرباری
بدانچه از رگ من خون چکد دریغی نیست | که هر چه میکنی از جنس آن سزاواری
تکلفی نه بود لایق بزرگی تو | اگر نخورده نگیری و عیب نشماری
نه خون دیده به آنم که شربتی سازم | که چشم شوخ ترا عاده نیست خونخواری
مزوّری هوسی می پزم درین حالت | که درد و چشم تو پیداست ضعف بیماری
ترا بنالهٔ زیرست میل و این پیداست | که دست من نرسد جز بنالهٔ زاری
ز لطفها که تو با من کنی یکی این ست | که یک زمانم بی این سماع نگذاری
یکی غم از دل من یای باز پس نکشد | که دست دست بدیگر غمیم بسیاری
بهر جفا که کنی بر زمانه بندی جرم | کسی ز فعل تو آگاه نیست پنداری

---

[1] در مدح نصرة الدین بن محمد۔

عنان فتنه رها کرده واین خوشتر — که عذر لنگی بیرون برد بهمواری

زمانه را همه دانند کو نیارد کرد — بعهد شاه جهان دعوی جفا کاری

پناه ملت ودارای ملک نصرة دین — که کرد دولت ودین را به تیغ معماری

زچشم دولت او تا بخت خواب عدم — دگر بخواب ندیدست فتنه بیداری

بدور او زبس آثار عدل نتوان دید — مگر بزلف بتان نسبت ستمکاری

ایا رسیده بجائی که گر جهان نبود — زبحر همت خود قطرهٔ کم انکاری

کلاه گوشهٔ قدرت تو از طریق نفاذ — ربود از سر گردون کلاه جباری

فتاده جرم زمین با همه ثبات قدم — بجنب حلم تو در تهمت سبکساری

در آمده زلزل زیر سقف همت تو — چهار عنصر عالم بچار دیواری

زحشمت تو چنان تنگ شد فضای جهان — که هست دم زدن دشمنت بدشواری

توئی که تا ابد از رنگ وبوی دولت تو — چمن برنگ زری شد صبا بعطاری

زدست ساقی لطف تو یک پیاله بود — که نرگس افگند از دست جام هشیاری

زصوت بلبل نطق تو یک نوا باشد — که گل بپای در آرد لباس زنگاری

فلک به چند حکمت ازان نشاند که تو — همیشه جانب انصاف را نگه داری

کمال فضل مرا شاید از بمجلس تو — اثر بود که تو شاه خجسته اطواری

بیک سخن دهن ظلم را فرو بندی — بیک نظر شکم آزار را انباری

لبقهر آب فنا به سر فلک رانی — بلطف تخم وفا در دل جهان کاری

زخار حادثه تا نشگفد گل انصاف — بچشم خصم تو گل را مباد جز خاری

ترا ذخیرهٔ عمری که چون بقای ابد — ورای عقل تصور بود زبسیاری

## مطلع ثانی

زہی چو عقل علم گشتہ در نکوکاری | مسلم ست ترا منصب جہانداری
کمینہ قاعدۂ تیغ تو جہانگیرے | کہینہ خاصیت دست تو گہر باری
زمانہ را کہ بغفلت بخواب در شدہ بود | کشیدہ حزم تو در دیدہ کحل بیداری
جہان کلاہ ز شادی بر افگند گر تو | بہفت قلعۂ افلاک سر فرود آری
توئی کہ حجت تیغ تو قاطع ست بدان | کہ تو بمملکت بحر و بر سزاواری
درین مجال سخن نیست چرخ را ہر چند | کہ عذر لنگ برون می برد بہمواری
جہانیان بتو امروز چشم آن دارند | کہ زیر دامن انصاف شان نگہداری
اگر ستارہ خلافی کند تو نپسندی | وگر زمانہ جفائی کند تو نگذاری
کسیکہ در حرم عدل و رحمت تو گریخت | دگر بدست زمان و سپہر نسپاری
تو بادشاہ جہانی چہ باشد ار نظری | ز روی لطف بر احوال بندہ بگماری
بروزگار تو با این ہمہ عزیزی فضل | روا بود چو منی در مذلت و خواری
درون پردۂ فکرت مرا عروسانند | کہ زہرہ شان بتفاخر کند پرستاری
بکن معونت احوال من باستقلال | کہ ننگ باشد اگر خواہم از فلک یاری
بضاعت سخن من ازان نفیس ترست | کہ جز ترا سزد اندر جہان خریداری
ہمیشہ تا کہ جہان را عمارتے نبود | مگر بشرط نکوکاری و کم آزاری
بنائے عمر تو معمور باد تا بہ ابد | کہ تو بنائے جہان را بعدل معماری
ترا ذخیرۂ فتحی کہ چون لطائف غیب | ورای عقل تصرف بود ز بسیاری

## (۵)

کراست[1] زهره که با این دل ز صبر نفور     در افگند سخنے از وداع نیشاپور

اگرچه می شنود نعرهٔ غراب ولیک     چگونه فهم کند آدمی زبان طیور

ندانم این چه دلیریست گوییا که غراب     ز یار خویش نبود ست هیچ شب مهجور

غراب را چه خبر زانکه هر شب از غم هجر     چگونه می گذرد حال این دلِ رنجور

حدیث هجر توان گفت با کسیکه بود     چو زلف یار مشوش چو چشم او مخمور

نه یک شب از لبِ لعلش چشیده طعم شکر     نه یک دم از سر زلفش گرفته بوی بخور

گمان من همه این بود بیش ازین کاخر     چنین که دورم از و از درش نمانم دور

دلم ز گیتی چندان حساب گز برداشت     که راه یافت از و صد هزار گونه کسور

مگر زبیرده بمردن او فتاده نالهٔ من     که میدهد فلکم گوشمال چون طنبور

یکی ز بوالعجبی های روزگار این ست     که روز روشن من کرد چون شب دیجور

عجب نه آنکه درین غم هنوز دل شادم     بدان امید که سعیے کند فلک مشکور

که یادگار بماند نشانِ چهرهٔ من     بر آستانهٔ شاهِ مظفر و منصور

طغان شه ابن محمد که شاهِ انجم چرخ     ز ماهِ رایت او عاریت ستاند نور

کفش چنانکه بوقتِ سخا فرو ریزد     بروی دشت نهانخانهای کان و بحور

دلش چنانکه بهنگام کینه پست کند     بزیر پایه بر آوردهٔ سنین و شهور

---

[1] در مدح طغانشه مؤید۔

درآن مقام که بکشاد حزم از دیده  
خرد ضعیف بصر باشد و فلک شب کور

در آن دیار که افتد ز عدل او سایه  
بقدر ذره بود آفتاب وقت ظهور

خدایگانا بر وفق رای افلاطون  
ترا خدای ز بهر مصالح جمهور

بیافرید ز اقبال صورتی پس از آن  
حلول کرد درو جان بهمن و شاپور

چنانکه باده بچشم پیاله نقل کند  
پس از مفارقت تاک و قالب انگور

بروزگار تو آن یافت انتظام جهان  
که از حمایت خوبی پیاز شد کافور

عجب نباشد اگر کژدم فلک هردم  
نهان کند ز نهیب تو نیش چون زنبور

ز گرد خیل تو مشاطگان عالم قدس  
کشند غالیهٔ حسن گرد عارض حور

زمانه حکم ترا چاکری بود منقاد  
فلک مثال ترا بندهٔ بود مامور

ایا ریاض امانی بجود تو خرم  
دیار جهان معانی بجاه تو معمور

اگرچه قاصرم از کنه مدحت خواهم  
که روزگار کنم بر ثنای تو مقصور

ولیک دست حوادث چنان گلوگیرست  
که هست دم زدنم جمله نفثة المصدور

سخن شکایت گردون شدست و عذر اینست  
وگرنه عقل ندارد مرا بدین معذور

درین قصیده که در پیش نظم الفاظش  
چو آب حل شود از شرم لؤلؤ منثور

مزید شهرتم آنگه شود که برخوانند  
زهی بجود تو ایام مکرمت مشهور

همیشه تا نشود کار عالم از فطرت  
چنانکه مرد خردمند را کند مغرور

بگیر عالم و برخور ز مملکت که نماند  
برون ز چشم بتان در زمانه هیچ فتور

بریدصیت ترا دست در عنان صبا  
رسول حکم ترا پای در رکاب دبور

# انتخاب از قصائد عرفی

## (۱)

ای متاعِ درد در بازارِ جان انداخته | گوهرِ هر سود در جیبِ زیان انداخته
نورِ حیرت در شبِ اندیشهٔ اوصافِ تو | بس همایون مرغِ عقل از آشیان انداخته
از کمان تا جسته در چشمِ تحیر کرده جا | معرفت کو تیرِ حکمی بر نشان انداخته
ای بطبعِ باغِ کون از بهرِ برهانِ حدوث | طرحِ رنگ آمیزی از فصلِ خزاں انداخته
سرعتِ اندیشه را افگنده در دامانِ تیر | عادتِ خمیازه در جیبِ کمان انداخته
در چمنهای محبت هر قدم چون کربلا | از نسیمِ عشوه فرش ارغوان انداخته
مرغِ طبع اندر هوای معصیت نگشوده بال | عفوِ تو شاهینِ رحمت را بپران انداخته
سایه پروردِ عصمت در آفتابِ رستخیز | فرشِ استبرق بزیرِ سایبان انداخته
طعمهٔ عشقِ ترا از مغزِ جان آورده ام | آن هما تا سایه بر این استخوان انداخته
ای مذلت را روائی داده در بازارِ عشق | عزتِ درشان ما از اوجِ عز و شان انداخته
هر کجا تاثیرِ غم را دادهٔ اذنِ عموم | شادیِ راحت فشان را ناتواں انداخته
زین خجالت چون برون آیم که دل در موجِ خون | نو عروسانِ غمت را مو کشان انداخته

فیض را نازم که هر کس پابراهت مانده است / دل بدست آورد و جان را از میان انداخته

صید دل را هر آگاهی ز صیاد ازل / در کمند طرهٔ عنبر فشان انداخته

کرده از عرفان لباس عجز را دامن دراز / کوتهی در جیب عقل نکته دان انداخته

طعمهٔ گر خوان عشق افگنده ام در کام دل / ریزهٔ آنرا بجحیم اندر دہاں انداخته

شرع گوید منع لب کن عشق گوید نعره زن / کای توہم در راه عشق خود عنان انداخته

دولت وصلت که دریابد که با آں محرمے / جوہر اول علم بر آستان انداخته

حیرت حسن ترا نازم که در بزم وصال / جام آب زندگی از دست جاں انداخته

وصف صنعت کز لب ہر ذره میریزد برون / نطق را در معرض عقد اللسان انداخته

در ثنایت چون کشایم لب که برق ناکسے / منطقم را آتش اندر خان و مان انداخته

من که باشم عقل کل را ناوک انداز ادب / مرغ اوصاف ترا از اوج بیان انداخته

مست ذوق عرفیم کز نغمهٔ توحید تو / لذت آوازه در کام جہاں انداخته

(۲)

اے[۱] مرتفع ز نسبت ذات تو شان علم / کلک گہر فشان تو رطب اللسان علم

اے ساکنان مصر معانی بحسن عقل / نادیده یوسفے چو تو در کاروان علم

سلطان دین علی که ز شست کمال است / ہر ناوکے که یافت کشاد از کمان علم

جیب و کنار عقل ز گوہر لبالب است / تا باز کرده لب گوہر فشان علم

---

[۱] در مدح امیر المومنین حضرت علی علیه السلام

سلکِ نقودِ نظمِ جواہر بباد رفت  خاصیتِ گوہرِ تو برآمد ز کانِ علم

پیش از وجودِ صلبِ فلک بود ذاتِ تو  در بطنِ صنعِ نادرہ زا تو امانِ علم

امکان اگر نہ تکیہ زدے بر وجودِ تو  کے داشتے تحمّلِ بارِ گرانِ علم

دستِ مجرّدات ستون زنخ شود  آنجا کہ فطرتِ تو زند سائبانِ علم

علمست جانِ ہر کہ بود معنوی نہاد  الّا فطانتِ تو کہ گردید جانِ علم

ذاتِ تو اعتدال و سلیمان مزاج عدل  عقلِ تو مغز و جوہرِ کل استخوانِ علم

صد رہ فتد بچاہِ ضلالت بہر قدم  دستِ ہدایت ار نکنی بر میانِ علم

برگوشِ فطرتِ تو ز اوّل نفس شمرد  ہر نکتۂ کہ داشت لبِ داستانِ علم

آنجا کہ دانشِ تو نہد رسمِ تقویت  اے آیتِ شعورِ تو نازل بشانِ علم

دستِ ضعیفِ جہل کہ در آستین شکست  از عقلِ اوّلین بربایدعنانِ علم

بر آسمانِ علم ضمیرِ تو آفتاب  اما میرِ او نہمین آسمانِ علم

آن مایہ دشمنی کہ بعلمست جہل را  اے کعبۂ وجودِ تو دار الامانِ علم

اندر ضمیرِ جوہرِ اوّل شدے تباہ  تقدیر ہیبتت نشدے گر ضمانِ علم

ارزان متاعِ روی دکانِ کہنہ ہستی ست  آن جا کہ فطرتِ تو کشاید دکانِ علم

تا عزمِ خاک بوسِ حریمِ فطانت ست  دارند ساکنانِ نہم آسمانِ علم

از بیم دور باشِ ادب ہر صباح و شام  صد بوسہ مژدۂ لبِ روحانیانِ علم

گر صنعِ ایزدی ز ازل مصلحت نداشت  تا سازد امتیازِ تو خاطر نشانِ علم

الّا در آستانِ حریمِ فطانتت  ذیلِ ملازمت نزدے بر میانِ علم

روزے ز روی نسبتِ اجزائے یکدگر  ترتیب دادمے بتصوّر جہانِ علم

در دل فتاد سایهٔ طبعِ بلندِ تو — گفتم که این سزد بصفت آسمانِ علم
آشفته گشت طبع غیورم که هان خموش — زین پی غلط مکن که بلندست شانِ علم
گر سایهٔ طبیعت تو مهبطش هست — آن ذروه می سزد که شود لامکانِ علم
شاها توئی که فیض هوای طبیعتت — سازد نوبهار مبدّل خزانِ علم
از دستِ بخت طبع تو بالذات است و بس — بر خوانِ عقل هر که شود میهمانِ علم
دارم امید آنکه بعزّ فی زمین لطف — بخشی وظیفهٔ ز نعیمِ جنانِ علم
در مجمعی که قوت معنی، دهی بقبض — دستم ز آستین بفرستی بخوانِ علم
مسندنشین خاک درِ دانشش کنی — ای فضل مایه بخش تو سلطان بشانِ علم
با آنکه دست بستهٔ میدانِ دانشم — گر نامزد کنی بکفِ من عنانِ علم
چون دانهای گوهرِ مدحت بسلک نظم — سرهای خیل را زکشم بر سنانِ علم
تا دلِ شکافِ جهل بسیط و مرکب ست — زخم دلیل قطعی و تیغ زبانِ علم
یا داهدایت تو که معمار دانش ست — تیغ زبان جوهریان را فسان علم

(۳)

سپیده[1] دم چو زدم آستین بشمع شعور — شنیدم آیتِ استفتحوا از عالم نور
بدل ز شاهد بزم ازل ندا آمد — که ای تمام وفا از رضای ما بس دور
زهی اطاعتِ حسنِ ادب خصے طاعت — که با اجازت مائی ز وصلِ ما مهجور

---

[1] در نعت

زیادہ زین نہ حلال ست دوری از بزم — اگر بجو صلہ تازی درآیہ بزم حضور

طلب بیار و مترس از متاعِ منعِ کلیم — بساطِ عذر میار اگر نیستی معذور

اگر بچشمۂ مقصود دستِ عشوۂ ما — شکست ساغر امید اد بسنگ فتور

نہ کوہی ز عطا بود عشق میداند — کہ بہ کرشمۂ ما ننگ بود خلعتِ طور

تو در معاملۂ ابسطو امتاع مخمہ — کہ ناصحیح بود بیع وسعی نامشکور

در ملاطفت آشنا کشاد و درآ — کہ آشتی طلبست اِنّ سعیکم مشکور

مے مشاہدہ از ران وراہِ میکدہ پاک — تو در مشقتِ نزع از طبیعتِ مخمور

بیا بنوش کہ در مستیت شہید کنم — کہ نیست قابل رحمت شہادتِ مستور

بیا کہ در طلبت برفراز صدر سریہ — بیا کہ بہر تو بر صفحہ سرای سرور

چو عشق تو ہمہ بیانیست شاہدِ وصل — چو حسن با ہمہ آرایش ست حجلۂ سور

بحمد زمزمۂ این عطیہ با دل من — ہمان اثر کہ باہلِ فنا کند دمِ صور

دلم نبالہ در آمد کہ ہان صبوری را — ز حد مبر کہ درین راہ کس مباد صبور

عنان فگندہ جہاندم بزیر بام وصال — منزہ از اثر سعی گام و سیر ستور

بدست ہمت طاعتوران رہا کرد دم — یا ولین قدم اسباب خلد و حور و قصور

زدم بحبلِ متین جوار دست ادب — بسعی با نزدِ دل برشدم باوج حضور

کمال جذبۂ لطف آستین کشانم برد — بخلوتیکۂ یکی بود رنگ سایۂ دنور

تبارک اللہ ازان بزم آبزدال کہ بود — ز نور حسن لیالیب ز دوستی معمور

بسطحِ انجمن افتادہ فرشہائے لطیف — ز گونہ گونہ عنایت نہ اطلس وسیفور

جماعتے بہ یمین دلیار مہد وصال — کہ ہر یکے ز سعادت گرفتہ صد منشور

زطعن مردم دور از سیاست آسوده ۔۔۔ چکیده از نفس جمله نغمهٔ منصور

دلیلِ دعوی منصور کاثیست مبین ۔۔۔ بلوحِ ناصیهٔ اتحاد شان مسطور

پس از مشاهدهٔ جمع سروری دیدم ۔۔۔ که بود به صفِ اصحاب قرب صدر صدو

جمال صدر نشینان ز نور چهرهٔ او ۔۔۔ چو انجم از اثرِ شاه اختران مستو

فروشدم بتحیر که یارب این که بود ۔۔۔ که هست صورت او زیب معنی جمهو

هنوز در دلم این معنی خجسته اثر ۔۔۔ زشاهراه تحیر نکرده بود عبو

که گفت و شاهد تنها نشین مسندِ حسن ۔۔۔ ز روئے مهر که اے از رهِ بصیرت دو

کدام کحل که نگرفتے از هدایتِ ما ۔۔۔ هنوز دیده معنیت هست عین قصو

به آستانهٔ ماهست گردے از ده دے ۔۔۔ که ذره ذره او هست چشمه چشمهٔ نو

اجازت قدمِ او بیار تا بدهم ۔۔۔ که هست منت از این توتیا بدیدهٔ حو

دگر صبور نه تا بگویم این آنست ۔۔۔ که ما بروز ازل ناظریم او منظو

بصورت آئینهٔ حسن ما بمعنی ما ۔۔۔ روان و صورت معنی! بذات او مس

ز آستین نه رسیدی بجیبِ دستِ وجود ۔۔۔ اگر نه گوهر او داشتے هوائے ظهو

طراز صورت و معنے محمد عربی ۔۔۔ که نطقِ ما بادب نام او کند مذکو

کنونکه معرفتت حاصلست زود بیار ۔۔۔ باستعانتِ آن کحل تحفهٔ مقدو

بعون لطف الٰهی بلمحهٔ گفتم ۔۔۔ قصیده که بود مطلعش بدین دستو

زهے لوائے نبوت ز نسبت منصور ۔۔۔ مزاجِ عشق ز آمیزش دلت رنج

بنور و سایه چو امر سکون و سیر کنی ۔۔۔ زمانه فاصله یا بدمیانِ سایهٔ و

بباغ طبعِ تو بر اوجِ استفادهٔ فیض ۔۔۔ همائے عقل طلبگار سایهٔ عصفو

بدایت تو نماید بچشم صورت بین — ہر انچہ در حرم ایزدی بود مستور

ز نور ناصیہ ات ماہ گر ضیا گیرد — بآفتاب دہد نسخۂ سنین و شہور

ازان نفس کہ برون دادہ اند گوہر تو — بگنج صنع نماندہ تعلقِ گنجور

شعاعِ شعلۂ قہر تو گر فتد بہ سحاب — رماد برق شود سرمۂ صبا و دیور

اگرچہ ہست میرہن کہ در میسر وجود — مؤثر اند صفات الہٰ نے ماثور

جل رسیدہ چو نامت بجبہہ بنویسد — خجل شود ز نگہ کردنش اجل از دور

سر کلاہِ حکومت بدامنِ تو نہاد — قضا کہ ہست دو عالم بحکم او مجبور

این کلاہ بسرمان ز گوشہ بشکنش — کہ در دو کون توئی آمر و منم مامور

بعہد حکم تو امر قضا چنان منسوخ — کہ از نزول کلامِ مجید حکم [illegible]

گر ز روئے ضمیرت نقاب برخیزد — برنگِ سایہ شود آفتاب طعمۂ نور

تنہا توئی کہ زکوٰۃ بضاعتِ کرمت — دو کون را ز گران مائگی کند معمور

نم کہ کردہ ام از ننگ شرکتِ نوعے — نصیب فرقۂ انسان ہزار گونہ قصور

روزگار من آثارِ یاس می تابد — چو حالتِ سنوات از مآثر یا جور

تنزلِ علم گر شود نسیم ریاض — یطبع بہ اثمہ غور گے رود انگور

حرص نعمتِ عصیان کہ زہر معنویست — بدون صوم کند نفس زلہ بند سحور

شوے روئے سیاہم ز آبِ احسانت — کہ تیرگی برد از چہرۂ شبِ دیجور

س ست صاحب اعمال ناسزا بودن — چہ احتیاج کہ کس جاودان بود مقہور

نوذ باللہ اگر روز حشر طے نہ کنند — شفاعتِ تو عمل نامۂ اناث و ذکور

شرم کثرت عصیان من بر عشہ فتد — حسابگاہ قیامت چو ارض نیشاپور

دم سوال که از تاب انفعال شود — نفس شکستهٔ گلو از زمانهٔ مغرور

امید هست که مهر لب سوال شود — عنایتیست که چه عصیان ماست نامحصور

اگر به پنجهٔ خورشید دل بیفشارم — بجائے خون ز مسامش چکد شب دیجور

وفا نمیکند امید مغفرت با یاس — نه زانکه عفو الٰهی نتا زدم مغفور

ز طول معصیت استغفر الله اندیشم — که گرد قصر نشیند بذیل عفو غفور

همین بس ست که گر ناجیم وگر مغضوب — که با ولائے تو فردا همی شوم محشور

بعون نعمت عشق تو فارغم ز نعیم — نه جوئے شیر شناسم نه طارم انگور

ز عود مهر و گلاب وفاست عنصر من — اگر برفتن دوزخ همی شوم مامور

ببزم جنتیان انجمن طراز بهشت — ز دود آتش دوزخ بود بخار بخور

زکوٰة مهر تو حاشا اگر دهم بطباع — کند بباده تبسم طبیعت کافور

محبت تو نداز دلسینه ام داغے — که هست سوزش الماس و معنی ناسور

نشے ز دولت ردیائے افتخار رسل — علم بعرش زدم درمیان خواب و شعور

خمیر مایهٔ این سر قصیده آن ردیاست — که شاخ و برگ فزودش زبان من؟

کسے گمان نبرد که برائے زینت شعر — به اصل خواب فزودم که نیست این منظور

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم — چنانکه حرف عصا گفت موسیٰ اندر طور

همیشه تا جگر خونچکان گمراهان — بود ز نشتر شرم آشیانهٔ زنبور

خرابهٔ دل مجروح آستان تو باد — ز نوشدارِ د الطاف شاملت معمور

ے دلِ من باغبانِ عشق و حیرانی گلستانش
ازل دروازۂ باغ و ابد حدِ خیابانش

چنان باغے کہ گلچین نیارد گل برون (بمردن)
نہ آن باغیکہ باید خار چیدن از نیم دورانش

گلے کہ خرمیِ دے را بخندانند چو فروردین
نہ آن گل کہ وداعِ شاخ گریاند زمستانش

گلے زین باغ گر چینی بیاور دستے از (بینش)
کہ نقشِ لوحِ محفوظ ست بر اوراق و اغصانش

اگر سر در ہوا گردد کسے بارے دران (وادی)
کہ گم در چہ فتد ہمدرد باشد ماہِ کنعانش

نثارِ محرمانِ بزمِ عشق آیا چہا باشد
کہ در دود داغ میریزند بہ بیرون (نشینانش)

فشاندم در ازل گردی ز دامن این زمان بینم
کہ نامش عالمست و میکشد در دیدہ خاقانش

اگر طفلِ دلم را دایہ حور آید و گر مریم
بہنگامِ مکیدن زہر ہیچہ شد نہ پستانش

دلت ریش ست روز بجز الماسش ہر مونہ
نمکن در گشت عیش آباد و شاد و ش درمانش

دلے شوریدہ خوانندش کہ در بازارِ معشوقی
خریدارِ پریشانیست صد زلفِ پریشانش

مسلمانی کسے داند کہ در یکرنگیِ وحدت
ز ہر مو چشمۂ خون ریز دار خوانیِ مسلمانش

نیابت زان معلم جوی اندر حکمت آموزی
کہ لوحِ جوہرِ کل سادہ یابی در دبستانش

صفائی جو بیداز قصرِ دلی معمورۂ جنت
کہ انواعِ خرابیہا بود معمارِ ایوانش

حرامست اہلِ معنی را چشیدن نعمتِ خوانے
کہ نبود سینۂ نان گرم و دل بریشی نمکدانش

دماغ آن کے از بوئے محبت عطسہ ریز اند
کہ می سوزند عودِ عافیت در زیرِ دامانش

---

ے در نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔

ز آن نفست بطور اهل ایمان خنده‌ها دارد
که بر دردی بعهد کودکی در کافرستانش

خارا یا دگیر از دوست کز ماتم سیه سازد
لباس کعبه در مرگ شهیدان بیابانش

چراغ دل نیفروزند در بزم سیه روئی
که شمع آفتاب از دود میرد در شبستانش

بیان شاید گشودن چشمهٔ معنی که چون موسی
فشانی قطرهٔ ذوق افگند در قعر عمانش

ز ایمان گر دلت آسیب می یابد بپیرش به
که بر بندند حرز کفر بر بازوی ایمانش

بدرس عشق خواندن گر کلیم و گر خلیل آید
بدون گریه و زاری نیابد ذوق وجدانش

بروح الله نخندانند حسن آفتاب ما
مگر بینند گرمانش مگر پایند برپانش

به بخوری کسی ارزد که هر گه میر داند لذت
دران مردن بود صاحب عزا عید قربانش

وصال آفتاب ما کسی یابد که از مژگان
سهیل و ماه و زهره دامن افشانند بحرانش

نثار دل کن آن گوهر که ملک وی تواند شد
نه آن گوهر که دست مرگ برچیند ز دامانش

و نازش تیغ بر دارد چه جای سدره و طوبی
که گردد عرش و کرسی صرف تابوت شهیدانش

ز گنج عشق دامان گهرستان که چون دل را
ستارک بر فشانی در شود در مغز ایمانش

محبت‌مست درس معنی گوید افلاطون مطلب کو
که صغرے خندد کبرے فرو گرید به برهانش

فغان از عشق می خیزد که هر دل از چراغ ما
نگه‌دار آرایش هر سویدا غے وای بر جانش

گدامی آرزو در سفره چینید نعمت کامی
که صد نوبت دمی اندیشه ما نیست مهمانش

باین بیرنگی دلی قیمتی آن طرفه یاقوتم
که لعل آفتاب این آب و رنگ آورد از کانش

اگر بی قیمتم تحصیل از رشک میکنم کاخر
رسد این قطره را روزیکه خوانی در غلطانش

لب داؤد دستی می نهد بر سینه را نغمه
دل تنگم همانا گر دلب میگردد افغانش

دلم آهنگ افغان دارد لب تنگ غم گوید
لبی خواهم که بفرستم باستقبال افغانش

سلامت را بدار نیستی بر میکشد شاهی
که فرمان میرود در کشور دلهای ویرانش

ز هر موی عالمی زنار و ناقوشش فرو ریزد
اگر کافر دلم در رعشه آرد بوی ایمانش

کسی کز لذت طاعت بود محروم من ضامن
که بگذارند در جنت ولی با داغ حرمانش

بسنبل میزند چوگان زلفی سیلی خجلت
که ناف آهوی چین مشک را شد گوی میدانش

پریشان دیدهٔ این گوی میدان مجازی را
ز بام هوش سر بر کن که رنگین میدهم شانش

امام شهر یعنی هادی مادر دم مردن
شهادت بر زبان راند مبارکباد ایمانش

بصد رصفه رقصان میبری ای زرق صوفی را
ازین آهسته تر میران که بر هم میزنی شانش

کسی کز علم منطق دم زند بی عشق می شاید
که بشماری بدون انتساب فصل حیوانش

بنازم مرشد گریان و بریان را که میخندد
بطوق گردن شیطان نهی طوق گریبانش

مرید مرشد ما جبهٔ گلدوز می خواهد
خر عیسیست این رنگین بیارایید پالانش

بمیدان محبت گوی خورشید ار بلند آری
کسوف جاددان یابد ز سیلیهای چوگانش

بحال عافیت تا کی بپرواز آوری دل را
تجلی کن تا ز اوج زمهریر آریم بریانش

سماع آموز زندان مجنون که در هنگامهٔ مستی
برنگ شعله دارد جنبشی با طبع رقصانش

من آن دریای آشوبم که از تاثیر خاصیت
که تسکین ست موج انگیز و آرام است طوفانش

عنان از عرصهٔ صورت بگردان کاندرین وادی
ز زاغ آموز و آئین روش کبک خرامانش

بباغستان معنی رو که تاثیر هوا آرد
سراویل تدرو از بهر طاوسان بستانش

بمژگان رخنه در کشتی کن ار طوفان بکف باشد
دران دریای بی ساحل که تسلیم ست پایانش

دل از حسن عمل بستان و بشکن در کف عصیان
بعصمت هر که نازد معصیت دان ترک عصیانش

مجو کوثر می لعلی طلب کز دی چو کس نوشد
برنگ لاله از تارک بر دید جام مرجانش

بنوش آن مے کہ گر آئینہ گردد کفر و ایمان را
بچشم ہم امام دیر ہمت گردند حیرانش

بنوش آن مے کہ گر بر صورت شیرین افشانی
برون آرد ز قید بے ستون سرمست رقصانش

بیا آن مے اگر تلخست دگر شیرین بدست آور
تبرک دیں دل مخیش کن و بشمار ارزانش

سفال از بہر مے جستم دران دیر مغان ناگہ
خضر بر سنگ دلہا زد سبوئے آب حیوانش

اگر از حرمت اندیشی بیا تا حکم بنمایم
ز سلطان شریعت لیک تمائی نجا قانش

شہنشاہ سریر قاب قوسین احمد مرسل
کہ بر پیشانی تقدیر مرقوم ست فرمانش

شہنشاہے کہ فراشان بزم او بصد منت
بفرق عرش میریزند گرد فرش ایوانش

شہنشاہے کہ ہست از غایت درویشی و ہمت
وجود خود فراموش و غم عالم فراوانش

شہنشاہے کہ چون آمادہ شد جمازۂ اجاہش
فرو بستند از عرش برین محمل بجوبانش

بجنت گر برات نعمت جاوید بنویسد
سواد از دیدہ آلاید بنوک خامہ رضوانش

دران حالت کہ ریزد نوش بر نوش از لب دانش
پر و بال ہمائے جوہر اول مگس رانش

بنازم عزت و شان را کہ در ایوان سلطانی
علی ہم آرائش بزم ست و جبریل ست مہمانش

گلستانی ہمائے فیض او در زیر پر دارد
کہ می نازد بزاغے ہدہد روح سلیمانش

بہشتی نزہت گلگشت او دارد کہ ہر ساعت
ز طوبی تاج میگیرد پے بازیچہ ریحانش

بخوردند از محبت انبیا لذت رسان زخمے
کہ جان مست او نگذاشت یک زخم نمایانش

کسے کز خوان نافرمانیش نعمت خورد دوزخ
خلال از شعلۂ آتش فرستد بہر دندانش

گل رحمت بود خود در گیاہ گلشن طبعش
صف امکان بود حق ناشناس نعمت خوانش

عتاب او بود در خشکیہ ہر گاہش برانگیزد
غبار مرگ خیزاند ز آب خضر جولانش

عطاے او بود ابر یکے در صحرائے ناکامی
گل مقصود روید اندر خار یاس بارانش

زہے عزت کہ بے نعتِ تو لوحِ معصیت گردد — ہر آن نامہ کہ بسم اللہ بود تہذیب عنوانش

زہے رحمت کہ بنمودی بخلق آئینہ روئے — کہ ایزد در نقابِ حُسن خود میداشت پنہانش

کسے کز راہ اولادت بمژگان خار می چیند — نویسد باغبانِ روضۂ طوبیٰ گل افشانش

شہا بر عرفیِ پژمردہ رحمے کن کہ می شاید — چنان پژمردہ باغے ریزشے زین ابرِ نیسانش

دہانش چشمۂ زہرست از لذت دریغا — کہ شیرین کام سازد میوہ ہائے باغِ احسانش

زبس کز زہر سر جوشش تراود چشمۂ خوے — بود فوارۂ خونِ جگر طوقِ گریبانش

دل او در ہوائے عالمِ قدس ست میدانم — کہ چون رخت از جہان بندد توان گفتن مسلمانش

دلم بر ہرزہ گردیہائے این گمراہ می سوزد — مہل زین بیشتر بر گشتہ صحرای خذلانش

متاعِ تہمتم گر بدل ماند زیان دارد — برون میریزم از دل تا شوم فارغ ز نقصانش

حکیم در سخن اینک حدیثم فاش میگوید — کہ افلاطون بود عرفی و شیراز ست یونانش

دم عیسیٰ تمنا داشت خاقانی کہ برخیزد — بامدادِ صبا اینک فرستادم بشروانش

ندارد سادہ زین بخشی کہ نظم لامکان سیرم — گذارِ قافیہ ہرگز نیفتاد بسلمانش

بمشرق میرود ترسم کہ روحِ انوری ناگہ — برات از تنگدستی آورد ملکِ خراسانش

میانِ انوری و عرفی ار جوید کسے نسبت — حدیثِ ماہ نخشب عرضہ دارد ماہِ تابانش

دگر نشنیدہ است این قصۂ العبد از شکر خندی — بگو از حالتِ یوسف شمارے گیرد اخوانش

فگندم جوششِ آوازہ ہم بر دوش نامِ خود — کہ نشگافد بمیدانِ قیامت تیغِ نسیانش

بباغِ نظمِ خود می نازم آخر چون ننازد کس — کہ دارد عطرِ گیسوئے رسول اللہ ریحانش

بجانہا وا ز من آنکس کہ جستہ غیبش کند لیکن — زبان لفظ و معنی میکند شمشیر بارانش

بصد جانش خریدم کی روا باشد کہ بفروشم — بتحسینِ تنک فہمان و احسانِ لئیمانش

بیک ارزان گرانش می شمارم گر تو بتوانی — دهد گر خرمن مه آسمان بشمارم ارزانش

تو دانی قیمت آبش که هم خضر و هم چشمه — نه اسکندر که از لب میگریزد آب حیوانش

تعالی الله چه نخل ست این بآب دیده پرورده — که بے تحریک میریزد گل معنی ز اغصانش

شمار از حدِ وصفش قاصر آمد این اشارت بس — که عمان الجواهر نام کردند اهل عرفانش

(۵)

چهرہ پرداز جهان رخت کشد چون بحمل[۱] — شب شود نیم رخ و روز شود مستقبل

چشم شب تنگ شود دایرہ مردمکش — دیدهٔ روز بتدریج بر آید احول

مردم دیدهٔ آن تر الهٔ و گرما بصفت — بیضهٔ دیدهٔ این روغن دو بیا بمثل

خونِ سودائی شب زاید و فاسد گردد — لاجرم نشتر روزش بگشاید اکحل

روز چون کرم بریشم همه بر خویش تند — هر چه شب رو کند از معده چو زنبور عسل

بعد ازین ترجمهٔ روز شود صاحبِ گل — بعد ازین شب به نگین ثبت کند عیدِ اقل

وقت آنست کنون کز اثرِ عیش و نشاط — مے نگنجد بصراحی و صراحی به بغل

جامِ یاقوت و مئے لعل بهم پالاید — اثرِ نامیه چون لاله و داغش بمثل

نامیه چون چمن سبزه دهد اتمامش — ناقص از کارگه آرند بباغ ار مخمل

عرق از شبنم گل داغ شود بر رخِ حور — اخگر از فیض هوا سبز شود در منقل

چمن آید بچمن بهر تماشائے جمال — بلبل آید بر بلبل بتمنائے غزل

---

۱ در مدح میر ابوالفتح

گیرد از فیضِ هوا طبع جواهر دارد  خصمت ار سودهٔ الماس کند در کحل

بس که هر خارِ گلے کرده عجب نیست اگر  یاسمین بشگفد از نشترِ زنبورِ عسل

پیشِ باغ و چمنِ دهر کنون گر رضوان  نسخهٔ خلدِ برین باز کشاید بمثل

صورتِ خلد ازین باغ مفصل یابد  سیرتِ این چمن از خلد ببیند مجمل

حورِ گیسو بمیان بسته در آید به چمن  تا لبالب کند از سنبل و گل جیب و بغل

بسکه از سنبل و گل یافت صفا نزهت  کز پے بوسه دو لب را بهم آرد جدول

شاید ار عذر پرستار پذیرند به حشر  بسکه بر داشت صفا صورتِ عزّیٰ و هبل

انبساطیست درین فصل که بے کاوشِ عقل  شاید ار باز شود عقدهٔ ما لاینحل

لیلیٰ از گوشهٔ محمل بنمود دست جمال  یا بود لاله که سر بر زده از گوشهٔ تل

حاسد آزار شوم زین غزلِ تازه که باز  موسمِ شادی بلبل شد و اندوهِ جُعل

اے شبِ هجرِ تو در دیدهٔ خورشید سبل  چشمِ روح القدس از شوقِ جمالت احول

مژه بر هم نزدم دوش که در بیتِ حزن  تا صباحم درِ دل کوفت تمنائے اجل

از دل و دامنِ آلوده در پاس مزن  دجلهٔ عفو باینها نشود مستعمل

بعذابِ ابدی دل نگذارد غمِ دوست  این نه مومیست کز آتش بکند ترکِ عسل

لذتِ تلخی دردِ تو اگر شرح دهم  نوشدارو بفرستم ببلام حنظل

چند ازین آتشِ خس پوش برانگیزی دود  اے بخشش جوهری آئینهٔ حسنِ تو مثل

آستینے ز وفا بر مژه ام کش تا چند  پوشم این چشمِ تر از حدسِ خداوندِ اجل

میر ابو الفتح که در سینهٔ دولت مهرش  آفتابیست که تحویل ندارد ز حمل

روے در روے رود سایهٔ او با خورشید  چشم بر چشم کند پایهٔ او جنبِ زحل

لب او خندد اگر چشم جهان گرید زار
دست او جنبد اگر دست قضا گردد شل

با هوا داری لطفش ز سر سبز ربیع
بهمن و دی بربایند کلاه مخمل

یکدرم دار نیاید ز زر خالص برون
گر ضمیرش ز زر خورشید برآرد بعمل

عنفش اندر کنفِ عدل بخوابست و بود
راز دارِ عدم و مصلحت اندیش اجل

در مقامیکه کند روی کنایت بعدو
ضرب شمشیر ندارد اثرِ ضرب مثل

آسمان گفت ندانم که حلول از چه بکرد
صورتش بیشتر از صورتِ عالم بمحل

زانکه چون روز ارادت ز جهان سر بر زد
صبحدم دولتِ او زاد شبانگاهِ ازل

زین سخن جوهر فعال بر آشفت و بگفت
کای تنک بهره ز فهم رصدِ علم و عمل

بیم آن بود ز خاصیتِ یکتائیِ او
که هیولی نپذیرد صور مستقبل

ای تجلی وجودِ تو جهانگیر بقا
وی تمنای حسود تو عنان گیر اجل

صفوتِ ذهن تو صراف مطالع دلیل
جودتِ لفظ تو کشافِ دقایق چو مثل

فلک عدلِ تو هر دم بجهان آرائی
آفتاب دگر از حوت بر آرد به حمل

ناگرفته ز سخای تو جواهر دارد
جود حاتم شده در دیدهٔ امید سبل

بهر پایهٔ خدام تو چون رفت بچرخ
گر نبود اطلس افلاک چنین مستعمل

چون دماغِ فلک از صیت تو مختل گردد
عیسی از مهر نشاید که کند دفع خلل

گر جعل دردِ سر از رائحهٔ گل یابد
بلبل از بهر مداواش بساید صندل

جمله هم سنگ گهرهائے دل و طبع من ست
این جواهر که فشاند کفِ جودت با مل

فاش گویم نه کنم شرم همانست که کرد
اشتیاقِ کفِ تو صورت تو عشق بدل

لوحش الله ز شبگیر سمند تو که هست
دو دمانِ کسل از شوخیِ او مستأصل

آن سبک سیر که چون گرم عنانش سازی
قطره ها کش دم رفتن چکد از پیشانی
گه بخورشید دهد سرعت او دریک دم
سکنات قدم از شوخی او نامعلوم
گه سر خصم تو بندد بپالشگه نزع
در عنان گردش او تا کرهٔ نار و هوا
داورا داوریت هست اشارت فرما
تا دیگ شهر ز عرفی لبتان کین مغرور
پر غرور است که تا من در مدحت نزدم
نیم تحسین مکن او گوید صد بیت بلند
هر سر مویش اگر بار شگافی بخرد
بهر اصل و نسب خویش نویسد بیرون
گوهر آمای رموز است نه دریا و نه کان
دعوی همت واز شرم حسان در خلوت
گر ببازیچه نهد در کف اندیشه عنان
چه بلا عیب تراشم که حسد کم بادا
گه چه او بود کنون هست و گه خواهد بود
هر که با او چو عطارد نبود مرد مصاف
انچه ابیات بلند است که از طبعش زاد

از ازل سوی ابد و ز ابد آید که ازل
شبنم آسایش ننشیند گه رجعت بکفل
آید از ثور بترتیب منازل بحمل
حرکات فلک از سرعت او مستعمل
تا قیامت بگلویش نرسد چنگ اجل
طی شود دائره به دائره مانند بصل
تا بساید فلک از بهر صدا عشق صندل
لیکن نازش نه باندازهٔ قدرت و محل
این گمان داشت که دورانش نیاورد بدیل
که دماغش شده از حسن طبیعت مختل
سومناتیست که چیدست درو لات و هبل
هر چه خواهد ز نسب نامهٔ او باب دول
حکمت آموز عقول است نه علم و نه عمل
بشکند تکمش اگر جامه نباشد مخمل
می نهد غاشیه بر دوش جریده اخطل
مشنو عیب نه زر دهی از سیم دغل
اینک آن ماضی و حال اینک و این مستقبل
صلح و تحسین خوش آید نه تهور نه جدل
انتخابیست ز دیوان سخن بخش ازل

انچہ ذرآت معانیست کہ بردی چو شتند
ہمہ خورشید شود گر شناسند محل

دارد از عزتِ اصلِ گہر و لذّت شعر
یا در تحت ثری اوست در آغوش زحل

عزتِ او نہ سہیدیست کہ حسنش باشد
ورنہ بگہر لیتمے از ستمِ مدح و غزل

اگر او نام ز ننگ شد از لذت شعر
شعر از عزتِ او نیک بر آید ز ذلل

شعر از و نیک و گر بد تو زیانش دانی
شرح این یا تو غلط جز تو برم لات و ہبل

للّٰہ الحمد کہ تا قدرِ تو نشناخت نبود
جوہر بندگیش چون ہنرش مستعمل

انکہ در عہد تو عہدِ جسم دکے گر بودے
ہمہ بر خویش فشاندے گہر مدح و غزل

شکرِ طالع کند ار چون نبود شکر گزار
آن یک اندیش کہ حیثمتش تبہ افتاد اول

صلہ بپذیرد این حسنِ طلب نشماری
خود تو دانی کہ چہا کردہ یا امید و امل

او کہ پروانۂ قدرست نسوزد ز زبانہ
او کہ بر حمامۂ عرش ست نیفتد بوحل

صلہ بر ہان گدائی دستایشگر نیست
بر تنا گسترت این آیہ مبادا منزل

انچہ وادی دہی گرچہ بمعنی صلہ است
صلۂ دوستیش یاد نہ مدح و نہ غزل

قصۂ مہر و وفا با تو نیارم گفتن
کین حکایت چو نہایت بپذیرد اول

گویم از صیہ اش ہرچہ نوشتت بخوان
این نگویم کہ مفصل بشنو یا مجمل

ونہ شارت گہر چند طمع داشت قضا
زان یا خلاص تو بشکست غرورش اول

عرفی افسانہ مخوان نوبت دیگر شعرست
گوشہ چشم نمودند کہ تنگ ست و محل

مدحِ صاحب و حرفِ خود و این طولِ کلام
ہیچ شرم آیدت از نکتۂ ما قل و دل

بدعا رو کہ اجابت نظرش بر لب تست
گرچہ محتاج دعا ماندہ مسعودِ ازل

تا ز تحویل حمل خاک زبرجد گردد
تا زبول از عمل نامیہ ماند مہمل

کشتهٔ مزرع بخت تو بذیر او نمو — تا نخندیکه چه زندش بمیان حدیٔ حمل
بعدم حضم درون خسته چه در توبه گناه — تو برون تاخته از علم چه از علم عمل

(۶)

هر سوخته جانے که به کشمیر در آید[۱] — گر مرغ کباب ست که با بال و پر آید
بنگر که ز فیضش چه شود گوهر یکتا — جائے که خزف گر رود آنجا گهر آید
وانگه بچنین فصل که در ساحتِ گلزار — از لطف هوا چاشت نسیم سحر آید
از بلبل خاموش دلِ باغ گرفته است — او را چه گنه محمل گل دیر تر آید
گل هم چه کند باد صبا خواست که عرفی — آید سوی کشمیر و گلش بر اثر آید
گو نغمه از شاهدِ گل حجله تهی باش — تا بلبلِ شیراز درین باغ در آید
نشگفت گل اما بشل بر رگ شاخے — گر پائے نهم خونِ گلم تا کمر آید
وقت ست که گل بر فگند پرده ز خسار — ز انسان که ز فانوس چراغے بدر آید
مهتاب گل از هم بشگافد تنِ شاخ — و ز لمعهٔ او سیب قمر لعل تر آید
فردوس بدروازهٔ کشمیر رسیده است — گو مدعیے گر نگرنده است در آید
زیبائی کشمیر گرش باعث عشوه است — من می خرم از زال فلک عشوه گر آید
این سبزه و این چشمه و این لاله و این گل — آن شرح ندارد که بگفتار در آید
آن چشمه که رضوان چو رود تشنه بسوش — کوثر بسرش تیز تر و تشنه تر آید

---

۱؎ در وصفِ کشمیر۔

آن لاله که هنگام تراشیدنِ خارا — از رخنهٔ سنگ و دهن تیشه بر آید

در جاست که از شبنم گل گرد فشان است — آن باد که در هند گر آید جگر آید

تا رنگ گلے نشگفد از تابش خورشید — حربا نکند میل که خورشید بر آید

از بسکه کند جذب رطوبت خطرش نیست — گر ساغر چینی ز هوا بر حجر آید

حاجت بدو زخم از قدش قطع محالست — گر سنگدلے مائل قطع شجر آید

زان کز مددِ نشو و نما زخم نخستین — مصمت شده تا زخم دگر بر اثر آید

کشمیر بهشتیست فریبنده که شیلے — آید چو در صومعه بر روے سفر آید

طاؤس مثالے که پر افشانده پر و بال — هر لمحه برنگِ دگر اندر نظر آید

زیبنده عروسے که بیفزوده جمالش — هر دم بنظر خوشتر و شاداب تر آید

هر لحظه که شاداب و ترش بینم و گویم — بکشائے بغل بو که در آغوش در آید

یاد از روشِ خود کنم و بزم خداوند — هر گه که صبا از چمنش جلوه گر آید

چون بوی گل آید کنم از انجمنش یاد — تا نکهتِ گل مایهٔ صد درد سر آید

هر گه که بعزم سفر از شوق تو عرفی — آید بوداع دے و با چشم تر آید

زاری کند از کشش جهت آغاز که مشتاب — کین فصل و سه فصل دگرم بر اثر آید

لیک از همه خلدست که بی طوفِ جنابت — چندان نکند مکث که وقت ثمر آید

کشمیر به او واله و او والهٔ کشمیر — امّا نه چنان کش بدل از دیده در آید

کارش همه انباشتن چشمهٔ گریه است — هر گاه که سیمائے تو اش در نظر آید

ترسد که درین خاک چون از شوق تو گرید — خونِ جگرش گل شود آنکه بدر آید

از بسکه ملائم صفت افتاده هوایش — بیم است که آهِ سحرش بے اثر آید

حکم تو اش آورد بہ کشمیر وگرنہ
کے از سر آن خاک نجاک دگر آید

می آید و میسوزد از ین رشک کہ کشمیر
چون یافت کہ آید بہ کجا بہ اثر آید

# انتخاب از قصائد حکیم قاآنی

(۱)

دوشم ندا رسید ز درگاہِ کبریا[۱]
کی بندہ کبر بہتر ازین عجز بار یا

خوانی مرا خبیر خلاف تو آشکار
دانی مرا بصیر و خطائی تو بر ملا

گر دانیم بصیر چرا میکنی گنہ
ور خوانیم خبیر چرا میکنی خطا

ما گر عطا کنیم چہ خدمت کنی بخلق
خلق ار کرم کنند چہ منت بری ز ما

مائیم خالق تو چہ حاصل شود تعب
خلق اند خواجہ تو چہ و اصل شود عطا

جرائی من خوری و کنی خدمت امیر
روزی من بری و کشی منتِ کیا

گہ چون عسس مدارت از خون بکیاں
گہ چون مگس قرارت بہ خوان اغنیا

گاہی چو کرم پیلہ کشی طیلسان بسر
گاہی ز روی حیلہ کنی پیرہن قبا

یعنی مجذبہ ایم نہ شوریدہ از جنون
یعنی نخلسہ ایم نہ بپچیدہ در ردا

---

[۱] حمد باری تعالیٰ

تا کی شوی بہ ہگذرِ جرم رہ سپر
تا کی کنی بمعذرتِ جبر اکتفا

گوئی کہ جبر باشد، باکت نہ از گناہ
دانی کہ جرم داری و شرمت نہ از خدا

آخر صلاح را نبود فخر بر فجور
آخر نکاح را نبود فرق از زنا

مقتول را ز قاتلِ باطل بود قصاص
مظلوم را ز ظالم لازم بود جفا

کس گفت رنگہا ہمہ در خامۂ قدر
کس گفت ننگہا ہمہ در نامۂ قضا

در گردش است لعبت و لعاب در کمین
در جنبش است خامہ و نقاش در قفا

منبع است در تصاعد و جلّابِ آفتاب
کاہ است در تحرّک و جذاب کہربا

دیو از برای آنکہ بخویشت شود دلیل
نفس از برای آنکہ ز کیشت کند جدا

آن از طریقِ شرع کند با تو دوستی
وین در لباسِ زہد شود با تو آشنا

آن نرم نرم شبہۂ باطل کند بیان
وین گرم گرم نکتۂ ناحق کند ادا

آن طعنہ گو کہ یاوری دینِ ذوالمنن
وین خندہ زن کہ پیروی شرعِ مصطفیٰ

گہ حجّتِ قبولِ ملّتِ اجداد گو دلیل
در حجّت و ذوق عادتِ اسلاف گو گوا

این دزدِ کاروانِ تو مسکینِ کاروان
آن رند و اوستاد و تو نادان روستا

آن آردت ز مسلکِ توحید منحرف
وین آردت بمسلکِ تزویر رہنما

تو در میانہ بایم و حیران و تن زدہ
آگندہ از سفاہت و آلودہ از عما

بر دیدۂ خلوصِ تو حاجت شود ہوس
بر آتشِ نفاقِ تو دامن زند ہوا

سازد ترا بشرکِ خفی دیو ممتحن
آرد ترا بکفرِ جلی نفس مبتلا

نفسِ ترا کسالتِ اصلی شود معین
طبعِ ترا جہالتِ فطری شود عطا

گوئی گہِ صلوٰۃ کہ شرع ست ناپسند
رانی گہِ زکوٰۃ کہ دین است ناروا

تا رفته رفته دغدغهٔ دل شود قوی — تا لمحه لمحه تقویت دل کند توا

گوئی بخود که رب زچه رفته است در حجاب — رانی بدل که حق زچه مانده است در خفا

گر زانکه هست حکمت پنهان شدن کدام — ور زانکه نیست پیرو فرمان شدن چرا

تا چند مکر و دغدغه ای دیو رشتخو — تا چند کفر و سفسطه ای مست ژاژخا

بر بود من دلیل بس این چرخ گرد گرد — بر ذات من گواه بس این دیده دیدبا

کوبندهٔ بباید تا دف کند خروش — گیرندهٔ بباید تا گه کند صدا

سریست زیر پرده که میپوید آسمان — آبی است زیر پرده که میگردد آسیا

بی نوبهار گل نشود بوستان فروز — بی کردگار گر نشود آسمان کرا

شاه ار ترا بتخت منقش دهد جواز — میر ار ترا بکاخ مقرنس زند صلا

مدحت کنی نخست بنقاش آن سریر — تحسین کنی درست بمعمار آن بنا

گوئی بکلک صنعت نقاش آفرین — رانی بدست قدرت معمار مرحبا

آخر چگونه کوه بدان شوکت و شکوه — آخر چگونه چرخ بدان رفعت علا

بی قادری بوادی هستی نهد قدم — بی صانعی بعرصهٔ امکان زند لوا

آخر چگونه عرش بدین پایهٔ شرف — آخر چگونه مهر بدین پایه و بها

بی آمری بسیط جهان را شود محیط — بی خالقی فضای زمین را دهد ضیا

اسباب فرش من چه کم از کاخ پادشه — آیات عرش من چه کم از عرش پادشا

با این گنه امید تفضل بود گنه — با این خطا امید ترحم بود خطا

الا بیمن طاعت برهان حق علی — الا بعون مدحت سلطان دین رضا

اصل کرم ولی نعم قاید امم — کهف وری امام هدای آیت تقا

سطح حیات خط بقا نقطهٔ وجود — قطب نجات قوس صفا مرکز وفا

نفس بسیط عقل مجرد روان صرف — مصباح فیض راح روان روح اتقیا

مصداق لوح معنی نون منظر قلم — نور ازل چراغ ابد مشعل بقا

منهاج عدل تاج شریعت رواج دین — مفتاح صنع درج سخن گوهر سخا

فیض نخست صادر اول ظهور حق — مرآت وحی رایت دین آیت هدا

معنی باد بسمله مسند نشین کن — مصداق نفس کامله عزلت گزین لا

گه حکم او بجنبش عنبر اوهد مثال — در رای او بیرامش گردون دهد رضا

راند قضا بپای کا جراست ای قدر — گوید قدر دمادم کامضاست ای قضا

تابنده دولتی است بدو جستن انتساب — فرخنده نعمتی است بدو کردن اقتدا

بیمی که از حمایت او بهتر از امید — خوفی که با عنایت او خوشتر از رجا

شیطان بیک توجه او بهترین ملک — سلطان بیک تعرض او کمترین گدا

عکسی ز لوح حکمت او هرچه در زمین — نقشی ز کلک قدرت او هرچه در سما

گه میرسد از خدای که یارب تراست حق — الحق فیک منک الیک آیدش ندا

ارواح انبیا همه بر خاک او مقیم — اشباح اولیا همه در راه او فدا

بانسبت وجود شریف تو ممکنات — ای ممکنات را بوجود تو التجا

خورشید و سایه روز و چراغ آفتاب و شمع — دریا و قطره در و خزف بره و بوریا

اصل و طفیل شخص و شبه قصد و امتحان — بود و نبود و ذات و صفت عین و اقتضا

فیاض و فیض علت و معلول و نور و ظل — نقاش و نقش کاتب و خط بانی و بنا

معنی و لفظ مصدر و مشتق و مفاد و حرف — عین و اثر عیان و خبر صدق و افترا

بالله من فلاک بصیرا فقد هلک — تالله من اتاک خبیرا فقد نجا

ذات تو سرفراز بتمجید ذوالمنن — نفس تو بی نیاز ز تقدیس اصفیا

از گوهر تو عالم ایجاد را شرف — از هستی تو دوحهٔ ابداع را نما

در پیشگاه امر تو بی گفت و می شود — در کارگاه نهی تو بی چون و بی چرا

اضداد بی مسالمه باهمدگر قرین — ابعاد بی منازعه از یکدگر جدا

اخلاف راشدین تو گنجینهٔ شرف — اسلاف ماجدین تو آئینهٔ صفا

یکسر بکارگاه هدایت کشاده دست — یکسر ببارگاه امامت نهاده پا

در پردهٔ ولایت عظمی نهفته رو — بر مسند خلافت کبرا گزیده جا

نفس تو بوستانی مطمور و دلنشین — ذات تو گلستانی مطبوع جانفزا

نورسته لاله ایست ازآن بوستان ادب — نشگفته غنچه ایست ازآن گلستان حیا

غمگین شود بهرچه تو غمگین شوی رسول — شادان شود بهرچه تو شادان شوی خدا

خورشید گر نه کور شد از شرم رای تو — دارد چرا ز خط شعاعی بکف عصا

شرعی که بی ولای تو حاصل شود دغل — وحی که بی رضای تو نازل شود دغا

هر نیش کز خلیل تو نوشی است دلنشین — هر نوش کز عدوی تو نیشی است جانگزا

مهر ترا ثواب مخلد بود ثمر — قهر ترا عذاب مؤبد بود جزا

آنجا که قدر تست اثر نیست از جهت — آنجا که صدر تست خبر نیست از قضا

با شوکت تو چرخ اسیریست منحنی — با همت تو مهر فقیریست بینوا

خرم بهشت اگر تو بر او نگذری جحیم — رخشان سهیل اگر تو بر او ننگری سها

از فر هستی تو بود عقل را فروغ — از نور گوهر تو بود نفس را بها

در کارگاه امر توی میر پیش بین — در بارگاه ملک توئی شاه پیشوا

بی رخصت تو لاله نمی روید از زمین — بی خواهش تو ژاله نمی بارد از هوا

گویا شود جماد اگر گوئیش بگو — پویا شود نبات اگر گوئیش بیا

مردودِ پیشگاه تو مردودِ کائنات — مقبولِ بارگاه تو مقبولِ ماسوا

مستوثق ولای تو نندیشد از اجل — مستظهرِ ودادِ تو نگریزد از قضا

در مکتب کمال تو خردی بود خرد — از دفتر نوال تو جزوی بود بقا

جسم ترا بسند ناسوت مستقر — روح ترا ز بالشِ لاهوت متکا

گنجی که بدسگال تو بخشد کم از خزف — رنجی که نیک خواه تو خواهد به از صفا

حب تو گر عدو است بجان میخرم عدو — مهر تو گر بلا است بدل میبرم بلا

خاری که از خلیل تو میخواهمش رطب — دردی که از حبیب تو میدهمش دوا

دل با تو گرد ورد ست بدل میبرم امید — جان با تو گر عدوست زجان میکنم ابا

خوفی که از دیار تو باشد به از امان — فقری که در جوار تو باشد به از غنا

بیم نه با وداد تو از آتش جحیم — باکم نه با ولای تو از سوزش جزا

در روز حشر جوشن جان سازم آن ودا — در وقت نشر نشرهٔ تن سازم آن ثنا

تا آنیا اگرچه دعا و ثنای شاه — این دیو را اذی بود آن روح را غذا

زان بر فراز عرش سرافیل را سرور — زین در فرود فرش عزازیل را عزا

لیکن ترا مجال بیان نیست در درود — لیکن ترا قبول سخن نیست در ثنا

دست دعا وسیع و سمند تو ناتوان — بام ثنا رفیع و کمند تو نارسا

زین بیش در طبق چه نهی جنس ناپسند — زین بیش بر محک چه زنی نقد ناروا

این عرصه ایست صعب بدو بر منه قدم — وین لجه ایست ژرف بدو بر مکن شنا

گیرم که در کلام تو تاثیر کیمیاست — دانا بکان زر نکند عرض کیمیا

گیرم که عنبرین بخت نافهٔ ختا است　　کس نافه ارمغان نبرد جانب ختا

ختلان خنگ چاچ و کمان روم و بربیان　　توران و تیر مصر و تنکهٔ هند و توتیا

کرمان و زیره بصره و خرما بدخش و لعل　　عمان و دُرّ حدیقه و گل جنت و گیا

گر رایت از مدیح ثنا سائی است و بس　　خود را شناس تا نه کنی مدح ناسزا

ور مقصد از دعا طلبت نیل مدعا است　　خود را دعا کن از پی تحصیل مدعا

شه را هر آنچه باید و شاید مقرر است　　بی منت ستایش و بی منت دعا

آن را که افتخار دعا و ثنا بدوست　　ناید ثنا ستوده و نبود دعا روا

یارب بپادشاه رسل ماه هاشمی　　یارب به رهنمائی سبل شاه لافتی

یارب بمهد سلمان آن پیر پارسی　　یارب بصدق بوذر آن پیر پارسا

یارب باشک دیدهٔ گریان فاطمه　　یارب بسوز سینهٔ بریان مجتبی

یارب باشک چشم اسیران ماریه　　یارب بخون حلق شهیدان کربلا

یارب بآفتاب امامت علی که هست　　مفتاح آفرینش و مصباح ابتدا

یارب بنور بینش باقر که پرتویست　　از نور او ظهور کرامات اولیا

یارب بفر مذهب جعفر که جلوه ایست　　از صدق او شهود مقامات اوصیا

یارب بجاه موسی کاظم که بوقبیس　　با علم او به پویه سبق برده از صبا

یارب بپادشاه خراسان کش آسمان　　هر دم کند سجود که روحی لک الفدا

یارب بجود عام محمد که کرده اند　　تعویذ جان ز حرز جوادی وی انبیا

یارب بمهر برج نقاوت نقی که یافت　　هجده هزار عالم از او نزهت و نوا

یارب بنور دعوت حسن حسن که هست　　هستی او حقیقت جام جهان نما

یارب بنور حجت قایم که تا قیام — قایم بادست قایمهٔ عرش کبریا

فضلی که از شداید دوزخ شوم خلاص — رحمی که از مهالک دوزخ شوم رها

برهانم از وساوس این نفس دون پرست — دریابم از کشاکش این طبع خودستا

چندم بکارگاه تعب نفس در تعب — چندم ببارگاه فنا روح در عنا

مگذار بیژنم را در قعر تیره چه — مپسند بهمنم را در کام اژدها

اُدعُوکَ راجیاً و اُنادیکَ فاستجب — یا مَن یُجیبُ دَعوَةَ داعٍ اذا دعا

فاستغفری لذنبک یا نفس واهتدی — بالله انّ ربک یهدی لمن یشاء

(۲)

بگردون تیره ابری بامدادان بر شد از دریا[۱] — جواهر خیز و گوهر ریز و گوهر بیز و گوهر زا

چو چشم اهرمن خیره چو روی زنگیان تیره — شده گفتی همه چیره بمغزش علت سودا

سیه گون چون شب عاسق گرفته چون دل عاشق — باشک دیدهٔ وامق برنگ طرهٔ عذرا

تنش با قیر آلوده دلش از شیر آموده — برون پر سرمهٔ سوده درون پر لؤلؤ لالا

بدل گلشن بتن زندان گهی گریان گهی خندان — چو در بزم طرب رندان ز شور نشئهٔ صهبا

چو دودی بر هوا رفته چو دیوی مست آشفته — زده بس در نا سفته ز مستی خیره بر خارا

شده خورشید نور افشان بتاری جرم او پنهان — چو شاه مصر در زندان چو ماه چرخ در ظلما

دیا در تیره چه بیژن نهفته چهرهٔ روشن — دیا روشن گهر بهمن شده در کام اژدرها

---

۱؎ این قصیده در مدح حضرت علی بن موسی الرضا علیه السلام گفته شده است۔

لب غنچه رخ لاله برون آورده تبخاله
زبس یاران از آن ژاله بطرف گلشن و صحرا

زفیض او دمیده گل شمیده طرهٔ سنبل
کشیده از طرب بلبل بشاخ سرخ گل آوا

عذار گل خراشیده خط ریحان تراشیده
زبس الماس پاشیده بباغ از ژاله بیضا

از او اطراف خارستان شده یکسر بهارستان
درو در رشک نگارستان زمین از لالهٔ حمرا

فگنده بر سمن سایه دمن را داده سرمایه
چمن از وغرق پیرایه چه رنگین شاهد رعنا

زبیمش مرغ جان پرّد ز سهمش زهره ها درّد
چو او چون اژدها غرّد دریا چون دد کشد آوا

خرد شد هرم از گردون که پوشد بر تن هامون
ز سنبل کسوت اکسون ز ژاله خلعت دیبا

نشاند بر چمن ژاله دماند از دمن لاله
چنان از دل کشد ناله که سعد از خرقت اسما

کنون از فیض او بستان نماید از گل و ریحان
برنگ چهرهٔ غلمان ببوی طرهٔ حورا

چمن از سرو و سیسنبر همال خلخ و کشمر
دمن از لاله و عبهر طراز تبت و یغما

زبس گلهای گوناگون چمن چون صحف انگلیون
تو گوئی فرش سقلاطون صبا گسترده در مرعی

زبس خوبان فرخ رخ گلستان غیرت خلخ
همه چون نوش در پاسخ همه چون سیم در سیما

زبس لاله زبس نسرین دمن رنگین چمن مشکین
ز بوی آن ز رنگ این هوا دلکش زمین زیبا

گل از باد وزان لرزان وزان مشک ختن ارزان
بلی بود شگفت ارزان کساد عنبر سارا

زفر لاله و سوسن ز نور نور و نسترون
دمن چون وادی ایمن چمن چون سینه سینا

بجو در هامون چه در بستان صف اندر صف زده ریحان
ز یکسو لالهٔ نعمان ز یکسو نرگس شهلا

تو گوئی اهل یک کشور همه بسته پایه بر سر
جهان در خشک سال اندر بهامون بهر استسقا

چمن از فر فروردین جنان تا بدشت چین
که طوس از فر شاه دین همه این نه گنبد خضرا

هژبر بیشهٔ امکان نهنگ لجهٔ ایمان
ولی ایزد منان علی عالی اعلا

امام ثامن و ضامن حرمیش چون حرم آمن زمین از حرم او ساکن سپهر از عزم او پویا
نهال باغ علیین بهار مرغزار دین نسیم روضهٔ یاسین شمیم دوحهٔ طٰه
سحاب ابر راثه اله ریاض شرع را لاله خرد بر چهره او واله روان از مهر او شیدا
ز مهر فروزنده لعلش یاقوتی از زنده از آن جان خرد زنده ازین نطق سخن گویا
ز جودش قطرهٔ قلزم ز رویش پرتوی انجم جنابش قبلهٔ مردم رواقش کعبهٔ دلها
بهشت از خلق او بوی محیط از جود او جوی بجنب حشمتش گوئی گرایان گنبد مینا
ستاره گوئی میدانش هلال عید چوگانش ز نعل سم یکرانش غبار توده عنبرا
قمر رنگی ز رخسارش شکر طعمی ز گفتارش بشر را مهر دیدارش نهان چون روح در اعضا
زمین آثاری از حزمش فلک مقداری از عزمش اجل در بیشهٔ رزمش ندارد دم زدن یارا
خرد طفل دبستانش قمر شمعی شبستانش بمهر چهره رخشانش ملک حیران تر از حربا
نظام عالم اکبر قوام شرع پیغمبر فروغ دیدهٔ حیدر سرور سینهٔ زهرا
ابر از هیبتش آبی فلک در مجلسش خوانے بخوان همتش نانی فروزان بیضهٔ بیضا
وجودش با قضا توام ز جودش ماسوا خرم حدوثش با قدم همدم حیاتش با ابد همتا
قضا تیریست در شستش فنا تیغیست اندر دستش چو ماهی بستهٔ شستش همه دنیا و ما فیها
زمین گوییست در مشتش فلک مهری در انگشتش دو تا چون آسمان پشتش به پیشش ایزد یکتا
بسائل بحر و کان بخشد خطا گفتم جهان بخشد گرفتم کو جهان بخشد ز بسیاری شود پیدا
ملک مست جمال او فلک محو کمال او ز دریای نوال او جهانی لجهٔ خضرا
زمان را عدل او زیور جهان را ذات او مفخر زمان را او زمان پرور جهان را او جهان پیرا
ز قدرش عرش مقداری ز صنعش خاک آثاری بباغ شوکتش خاری ریاض جنت الماوے

امل را جود او مرتع اجل را قهر او مصنع  فلک را قدر او مرجع ملک را صدر او ملجا
رضای او رضای حق قضای او قضای حق  دلش از ماسوای حق گزیده عزلت عنقا
کواکب تخت ایوانش فلک اجری خور خوانش  بزیر خط فرمانش چه جابلقا چه جابلسا
زخش پیرایه هستی دلش سرمایه هستی  وجودش دایهٔ هستی چه در مقطع چه در مبدا
ملک را روی دل سویش فلک را قبله ابرویش  بگرد کعبهٔ کویش طواف مسجد الاقصی
جهان را او بود آمر چه در باطن چه در ظاهر  بامر او شود صادر ز دیوان قضا طغرا
کند از یک شکرخنده هزاران مرده را زنده  جهان کز مهر رخشنده جهان پیرا برنا
ردای قدس پوشیده بهفتم نفس کوشیده  ببزم انس نوشیده می وحدت ز جام لا
می از مینای لا خورده سبق از ماسوا برده  وز آن پس سر برآورده ز جیب جامهٔ الا
زدوده زنگ امکانی شده در نور حق فانی  چو مه در مهر نورانی چو آب دجله در دریا
زده در دشت لا خرگه که لا معبود الا الله  ز کاخ نفی جسته ره بخلوتگاه استثنا
شده از بس بیاد حق بجز نفی مستغرق  چنان با حق شده ملحق که استثنا بمستثنا
روان را از پی درده سر آید راز در پرده  بلی گیرد فلک خورده بنا اهل ادبی کالا
رموز علم ادریسی بود ذوقی نه تدریسی  چه داند ذوق ابلیسی رموز علم الاسما
زهی یزدان ثنا خوانت دو گیتی خوان احسانت  خهی فتراک فرمانت جهان را عروة الوثقی
ستاره میخ خرگاهت زحل هندوی درگاهت  زمین خشتم جانگاهت فلک را رنج استرخا
بس از لطف حق تاجت طریق شرع منهاجت  بساط قرب معراجت فسبحان الذی اسری
حبیب تو باده آدم بهین پیرایهٔ عالم  چو خیر المرسلین محرم بخلوتگاه او ادنی
توئی غالب توئی قاهر توئی باطن توئی ظاهر  توئی ناهی توئی آمر توئی داور توئی دارا

ممالک را توئی رہبر ممالک را توئی زیور | محامد را توئی مظہر معارف را توئی منشا
تو در معمورهٔ امکان خداوندی پس از یزدان | چو در رگ خون چو در تن جان روان حکم تو در اشیا
توئی بہ نفع و ضر قادر توئی بہ خیر و شر قاہر | تو بہر دیو و دو آمر توئی بہ نیک و بد دانا
تو جسم شرع را جانی تو در عقل را کانی | تو گنج کان یزدانی تو دانی سر ما اوحا
تو دانائی حقایق را تو بینائی دقایق را | تو رویانی شقایق را از ناف صخرهٔ صما
ترا از ماہ تا ماہی ز حق یہ دانۂ شاہی | گر افزائی و گر کاہی نیاشد از کست پروا
زمان را از تو افزایش زمین را از تو آرایش | روان را از تو آرامش خرد را از تو استغنا
بکلک قدرت داور تو بودی آفرین گستر | نزاده چار کان مادر نبوده ہفت کان آبا
ز درعت حلقهٔ گردون ز تیغت شعلهٔ کانون | ز قہرت لطمهٔ جیحون ز ملکت خطوهٔ بیدا
اگر لطف تو اے داور نگردد خلق را رہبر | ز آہ خلق در محشر قیامتہا شود برپا
زہی اے نخل باغ دین کت اندر دیدهٔ حق بین | نماید خوشهٔ پروین کم از یک دانہ خرما
در اوصاف تو قاآنی دہد داد سخندانی | کند امروز دہقانی کہ تا حاصل بہ د فردا
سخن تخم است او دہقان ثنا مزرع امل باران | فشاند دانہ در میزان کہ چیند خوشہ در جوزا
تعالی اللہ گرش خوانی معاذ اللہ گرش رانی | بہر حالت کہ میدانی تو بہتر توئی مولا
گرش خوانی زہی باذل ورش خوانی خہی عادل | گرش خوانی شود خوشدل ورش رانی شود رسوا
گرش خوانی عفاک اللہ ورش رانی حماک اللہ | بہر صورت جزاک اللہ کما ینبغی کما یرضیٰ
گرش خوانی ثنا گوید ورش رانی دعا گوید | نترسد بہ ملا گوید ستم زیبا کرم زیبا
الا تا در مہ نیسان دمد از گل گل و ریحان | بروید سنبل از بستان بر آید لالہ از خارا
چو لالہ زایرت خرم چو گل با خرمی توام | چو ریحان سرو مشکین دم چو سنبل بوستان پیرا

(۳)

دو[1] قلاع کفر اند باهم مصاحب
یکی تیغ خسرو یکی کلک صاحب

یکی خرمن ظلم را برق خاطف
یکی کشتهٔ عدل را مزن ساکب

یکی ضبط ملک عجم را مزاول
یکی ربط دین عرب را مواظب

یکی ماشطهٔ چهر ملک از مساعی
یکی واسطهٔ رزق خلق از مواهب

یکی حلّ و عقد اجل را ممارس
یکی رتق و فتق امل را مراقب

یکی ز آهن و خود آهن دلان را
چو آهن ربا روز پیکار جاذب

یکی ملک اجلال را نجم عادل
یکی فلک اقبال را نجم واهب

یکی ابر باذل یکی ببر بادل
یکی غیث وابل یکی لیث ساغب

یکی دافع فاقه از کف کافی
یکی واقع فتنه از سهم صایب

هر آنچه این کند با مخالف ز خامه
هر آنچه آن کند با معاند ز قاضب

نه با کلهٔ ذئبان کنند از براثن
نه با صعوه عقبان کنند از مخالب

یکی رایت مجد را چیست رافع
یکی آیت نجد را کیست ناصب

یکی با خطابش ثعالب ضیاغم
یکی با عتابش ضیاغم ثعالب

دو گوئیست قاآنیا از دو بیتی
یکی گو که نبود دو گوئی مناسب

زهی زاهتزاز صبای قبولت
چه صابی صبی صاحب رای صائب

---

[1] این قصیده در مدح حاجی میرزا آقاسی فرموده شده است۔

زتاثیر تریاق لطفت عجب نی — که چیدمار روید زنیش عقارب

زکاخت نزآمد شد اہل حاجت — نه بیند کسی چین برابروی حاجب

شکار از قبولت بهرماه بچیره — حمام از خطابت بسیمرغ غالب

پلنگان بصحرا نهنگان بدریا — زخشم تو خائف زقهر تو هارب

بتو یخ رود هر که چون خط ترسا — بسوزد از قلبش چو قندیل راهب

بتن باز نیاید ز انفاس عیسیٰ — روانی که از رحمتت گشته غائب

بدر رفته سقف سرای جلالت — فلک چیست دانی تسبیح الغاکب

کنی انچه با نامهٔ در معارک — کنی انچه با خامهٔ در محارب

نه ترکان توران کنند از عوالے — نه کردان ایران کنند از قواضب

بتعجیل مضراب در چنگ چنگے — بجنبد قلم گر بدست محاسب

محاسب نه یکتن همه اہل گیتی — نه یکروز تا روز محشر مواظب

مداد آنچه نقش نوشتن پذیرد — اگر مار جاری اگر طین لازب

قلم هر چه در دست بتوان گرفتن — ورق هر چه بهر نوشتن مناسب

بدیوان فضلت نیا زند گردن — نه حصر محامد نه حد مناقب

زهی امر و نهی تو اندر ممالک — نفاذی که ارواح را در قوالب

دریں مه که باشد عمل پارسا را — گهی لف شاره گهی قص شارب

ز اندیشهٔ صوم و تشویش سرما — گر دهی نه ی بر خی از توبه تائب

چنان سرد گیتی که با سیف قاطع — نگردد ز مرکب جدا پای راکب

چو موی که دری فتند جرعه کش را — بجوئیں سرشک اندران جسم ذائب

گران گشته بی بادهٔ صاف ساغر | به آنسان که بیجان فرخنده قالب

چنان لعل دلبر بخندد صواعق | چنان چشم عاشق بگرید سحائب

کند ابر باطل ز تقطیر ژاله | زمین را چو گردون پر از نجم ثاقب

همی هر دم از برف نزالِ زمانه | بعارض پریشان کند شعر شائب

مراهست بی مهر ماهی که بر من | بود مهر آن ماه چون روزه واجب

دو چشمش تعالی دو جادوی لاهی | دو زلفش تبارک دو هندوی لاعب

بایوان خرامد غزالی غزلخوان | بمیدان شتابد پلنگی مغاطب

عذار فروزانش در فرع فاحم | سهیل یمانیست در لیل ضارب

بخون تن من خفیبش انامل | ز دود دلِ من دسمیش حواجب

غزلخوان غزالی است کز کرگ غمزه | کند صید غزمان هژبر به محارب

مرا چون پریدیده دیوانه سازد | چو گردد پریوارم از دیده غائب

پرندوش چون مهرهٔ اختران را | برون ریخت از حقهٔ چرخ ملاعب

چون از قعر دارون چهی سنگ ریزه | ز چرخ معلق عیان شد کواکب

فروزنده دری در آن لیل واللیل | چو آویزه در زجعد کواعب

در آمد ز در آن بت مهر چهره | پراگنده بر ماه شب از دو جانب

خرامان و سرمست و مخمور و بیخود | شکسته کله تاب داده ذوائب

چو بنشست برخاستم از سر جان | سرودم که ای جان بوصل تو راغب

در این فصل و این ماه و این وقت این شب | من و وصل تو تو زه از این عجائب

فو الله ما کان من قبل هذا | فوادی خبیراً بتلک الغرائب

لَقَدْ اَسْعَفَ الدَّہرُ کُلَّ الْمَقَاصِد — لقد انجح الجدّ جلّ المطالب
اَلَمّت بنا نعمۃ اللہ بالحق — وَنَمّتْ وَتَمّتْ عَلَینا الرغائب
مِنَ اللہِ مالَتْ اِلینا الموائد — مِنَ الحق عالَتْ علینا المواہب
تو دکوی من بخ بخ اے بخت مقبل — من ورزی تو خہ خہ ای دہر خاطب
شب وآفتاب آنگہی گوی مسکین — بیابان وآب آنگہی کام لائب
زرویت چہ روزاست روشن کہ امشب — پس از صبح صادق دمد صبح کاذب
مراد من اید ون چہ باشد مرادت — بگو اے مراد ترا طبع طالب
بگفتا یکی خامہ خواہم ملفق — بوصفِ زمستان دلتعریف صاحب
بدستم شدآن شوشتر خانہ جنبان — چہ در دست بربط نوازان مضارب
روان چابک وچست فرفر نوشتم — چہ ہنگام ترغیب کلک محاسب
بامداد آمہ نیامہ زخامہ — رقم کردم این چامۂ نغز راتب
ہمی بارد از ابر بارند راضب — چہ در دست وشور وراہب مواہب
ہوا سرد شد چون دلِ خصم جاہش — کہ در گرم دوزخ بمانا دو داصب
خنک گشت عالم چہ جسم خلیلش — چہ گلشن برادیاد نار نوائب
چہ جان بداندیش او در معارک — تنِ بینوایان نوان در مصاطب
چہ خونِ دل از دیدۂ بدسگالش — ہمی آب باران بہ دون از مشاعب
چہ دندان زیبا وشاقان بزمش — شب وروز باران تکرک از سحاب
الا تاکہ ہر سال آید زمستان — زمستان بزمش ہلا یا دیا رب

---

●

از سروش وحدتم بر گوش هوش آمد خطاب[۱]
یا فتی لا تبطل الاوقات فی عهد شباب

بعد ازاین در کنج عزلت پای در دامن کشم
من کجا و مستی میخانه و جام شراب

ناتوانم نغمهائے نای وحدت را شنید
گوش بگمارم چرا بر ناله چنگ و رباب

اتقعونی یا قضاة الحق من ارض الخطا
دللونی یا هداة الدین الی دار الصواب

چند در دام طبیعت دانه برچینم ز آز
تا بکی بر جیفه دنیا گرائیم چون کلاب

هادیا خود نفس سرکش را اگر بینم ای شگفت
گرچه صد کرت شنیدستم اذا کان العذاب

از نکوکامی مرا بر سر چه آمد کاین زمان
سر بید نامی برآرم در میان شیخ و شاب

از خدا و ز خویش شرمم باد آخر تا بکی
روح را ز اطوار ناشایسته دارم در عذاب

آفتابم من چرا جان را بکاهم چون هلال
شاهبازم من چرا بیچاره یابم از ذباب

من که بر گردون زنم خرگاه دانش از چه رو
بر گلوی جان چو میخ خرگهم باشد طناب

اهرمن خونم بریزد سوی آن پویم شگفت
غافلم از پرسش میعاد و از روز حساب

مرغ جان را تا بکی محبوس دارم در قفس
چهرهٔ توفیق را تا چند پوشم در نقاب

چند در تعمیر دنیا کوشم و تخریب دین
تا بکی دارم روان خویش را در اضطراب

مصطفی فرمود انا الناس فی الدنیا ضعیف
حاصلش یعنی لدوا للموت وابنوا للخراب

در تمامم زین سبب در کار و بار خویشتن
عرضه دارم کار خود را بر جناب مستطاب

---

۱ این قصیده در مدح خاتم الانبیا محمد مصطفی صلی الله علیه گفته شده است

نقطه پرگار هستی خط پرگار وجود
قطب گردون گرم توقیع طغرائی ثواب

سرور عالم ابوالقاسم محمد آنکه چرخ
با وجود او بود چون ذره پیش آفتاب

اَلَّذِی رُدَّت الیه الشمس و انشق القمر
کَانَ اُمِّیًّا وَلٰکِن عِندَه ام الکتاب

وَالَّذِی فی کفه الکفا [illegible] لما القصه را
کلم الحجب اعنا نوا انه و شئ عجاب

رهنمائی هردو عالم آنکه در یک چشم زد
برگذشت از چار حد و هفت خط شش حجاب

از ضمیر انور دو نه جود ابر دست اوست
نور جرم آفتاب و مایه دست سحاب

با شرار قهر او هر هفت دوزخ یک شرر
یا سحاب دست او هر هفت دریا یک حباب

گر وجود او نبودی ذات واجب را ظهور
تا ابد سر پنجه تقدیر بودی در حجاب

تا نه هستی او هست آنچه هست از ممکنات
غیر ذات حق کم از هستی وی شد بهره یاب

نه سپهر و شش جهات هفت دوزخ هشت خلد
با سه مولود دو عالم چار مام و هفت باب

در همه عمر از وجود او خطای سر نزد
زانکه بود افعال نیکوش سراسر وحی باب

با وجود آنکه صادر شد خطا از بوالبشر
گر همی باور نداری از نبی بر خوان قتاب

در سلیمان حشمت الله گر خطای ماندی
چیست القینا علی کرسیه ثم اناب

روز و شب از هاتف غیب این صدا گردد بلند
انه من مال عن شرعه فقد مال العقاب

هر زمان از ساکنان عرش آید این سروش
من تطرق فی طریقه قد اصاب ما اصاب

معنی خوف رجا تفسیر بغض و مهر اوست
کاین یکی را معصیت نامند و آن یکرا ثواب

توبه آدم نیفتادی قبول کردگار
تا بفیض حب متش صدره نگشتی فیض یاب

آتش نمرود کی گشتی گلستان بر خلیل
گر بانساب جلیل او نجستی انتساب

موسی از تیه ضلالت ماندی هرگز برون
تا ز طور افتش لبیک نه شنیدی جواب

نوح اگر بر جودی جودش نجستی التجا　　همچو کنعان نامدی هرگز برون از بحر آب

تا نشست ایوب از سرچشمهٔ لطفش بدن　　کی باول حال کردی زانچنان حالت ایاب

تا مسیح از خاک راهش مسح پیشانی نکرد　　کی شدی بر آسمان همچون دعای مستجاب

یوسف ار بر رشتهٔ مهرش نکردی اعتصام　　یونس ار بر درگه قربش نجستی اقتراب

تا ابد آن یک نمی آمد برون از بطن حوت　　تا قیامت این یکی بودی بزندان عذاب

آسمان هر جا که ماند بد وجودی پناه　　آری آری آسمان او بود حصن المآب

عقل پیش قابل ذاتش بود تسلیم محض　　پشه کی لاف توانائی زند پیش عقاب

ای شهنشاهی که پیش ابر دست همتت　　عرصهٔ دریای بهین آورد نماید چون سراب

تا به مسمار ذاتت محکم الاطناب شد　　کی شدی افراشته این خرگه زرین قباب

فی المثل بر تری آتش اگر بدهی مثال　　در زمان ماهیت آتش پذیرد انقلاب

ور به تبدیل زمین و آسمان فرمان دهی　　آن کند چون این درنگ و این کند چون آن شتاب

نی ترا ممکن تو آن گفتن نه واجب لیک حق　　بعد ذات خویشتن ذات ترا کرد انتخاب

چون بر آئی بر براق برق پیما جبرئیل　　گیرد از دستی عنان و گیرد از دستی رکاب

خسروا تا در فشان گردیده در نعت حبیب　　گشته خورشید از فروغ فکرتش در احتجاب

وانگه از دیباچهٔ نعتت کند بابی رقم　　در قیامت بر رخش یزدان شاید هشت باب

بر دعای دوستدارانت کنم ختم سخن　　زانکه باشد حد اوصاف تو بیرون از حساب

تا ز تابان مشعل خورشید انور بزم روز　　هر سحر روشن شود چندانکه شب از ماهتاب

تا قیامت کوکب بخت هوا خواهان تو　　باد روشن تر ز نور نیر و جرم شهاب

بهار آمد که از گلبن همی بانگ هزار آید
بهر ساعت خروش مرغ زار از مرغزار آید

تو گوئی ارغنو بستند بر هر شاخ در هر برگ
ز بس بانگ تذرو صلصل و دراج و سار آید

بجوشد مغز جان چون بوی گل از بوستان خیزد
بپرد مرغ دل چون بانگ مرغ از شاخسار آید

خروش عندلیب و صوتِ سار و نالهٔ قمری
گهی از گل گهی از سرو بن گاه از چنار آید

تو گوئی ساخت بستان بهشت عون را مانند
ز بس غلمان و حور آنجا قطار اندر قطار آید

یکی بر کف نهد لاله که ترکیب قدح دارد
یکی بر گل کند تحسین کز و بوی نگار آید

یکی با دلبر ساده بطرف بوستان گردد
یکی با ساغر باده به طرف جویبار آید

یکی بیند چمن را بی تامل مرحبا گوید
یکی بوید سمن را مات صنع کردگار آید

یکی بر لاله یا گوید که هی هی رنگ کی دارد
یکی از گل بوجد آید که بخ بخ بوی یار آید

یکی بر سبزه منبسط یکی در لاله می رقصد
یکی گاهی رود از هوش یکی گه هوشیار آید

ز هر سوئی نوای ارغنون چنگ و نی خیزد
ز هر کوئی صدای بربط و طنبور و تار آید

یکی اینجا نوازد نی یکی آنجا گسارد می
صدای ها و هوی هی ز هر سوئی هزار آید

بهر جا جشنی و جوشی بهر کاری قدح نوشی
نماند غالباً هوشی چو فصل نوبهار آید

مگر در سنبل استان ماهِ من ژولیده گیسو را
که از سنبل بمغزم بوی جان بی اختیار آید

الا یا ساقیا می ده بجان من پیاپی ده
دمادم هی خورد هی ده که میترسم خمار آید

---

۱؎ این قصیده در مدح حسین خان صاحب اختیار گفته شده است۔

سیه شد از ریا روزم بده آب ریا سوزم    بجانت که دو صد خرمن ریا یکجو بکار آید

نمی دانی کنار سبزه چون لذت دهد باده    خصوص آندم که گلزار باد مشکبار آید

بحق باده خوارانی که می نوشند با خوبان    که بی خوبان بکامم آب کوثر ناگوار آید

شرابی تلخ خواهم با بتی شیرین که از شورش    خرد دیوانه گردد کوه و صحرا بیقرار آید

دلم برده است شوخی شاهدی شنگی که همچون او    نه ماهی از ختن خیزد نه ترکی از حصار آید

چو باد آن زلف تاریکش بر رخسارش بشوراند    پی تاراج چین گوئی سپاه زنگبار آید

می گه هم گشاید حلقهای زلف پرچینش    بمغزم کاروان در کاروان مشک تتار آید

بجان او که هر گه کاکل گیسوی او بینم    جهان گوئی بچشم من پر از افعی و مار آید

چو بوسم لعل شیرینش لبم شهدستان گردد    چو بینم روی رنگینش در چشمم قندهار آید

نظر از بوستان بندم اگر او چهره بگشاید    کنار از دوستان گیرم اگر او در کنار آید

کنار خویش را پر عقرب و جراره می بینم    دمی کاندر کنارم با دو زلف تابدار آید

نگاهم چون همی افتد بروی او ز موی او    بچشمم عالم هستی پر از درد و شرار آید

زخال و خط و زلف و مژه و ابرو و گیسویش    جهان تاریک در چشمم چو یکمشت غبار آید

چه رمز است این نمی دانم که چون بینم رخ و زلفش    بچشمم هر دو گیتی گاه روشن گاه تار آید

رخش اهواز را ماند کزو کتر دم همی خیزد    دمی کان زلف پرچینش بروی آبدار آید

کشد موی میانش روز و شب کوه گران گوئی    مرا باید که با این لاغری لب بردبار آید

لب قاآنی از وصف بتش بنگاله را ماند    کزو هر دم نبات و قند شکر بار بار آید

الا یا سرو سیمیا بده آن باده مینا    که بینی اندرو سینا تجلی آشکار آید

بجوشد مغز من هر گه که گوئی فخر خوبانم    تو خلاق نکویانی ترا از فخر عار آید

نگارا من همی دانم بهیچت وصف نتوانم
که حیرانم نمی دانم چه وصف سازگار آید

تو چون در خانه آئی خانه رشک بوستان گردد
اگر فصل خزان در بوستان آئی بهار آید

غریبی کز تو بر گردد بشهر خویش می نالد
که پندارد بغربت از بر خویش و تبار آید

چرا باید کشیدن منت نقاش و صورتگر
تو در هر خانه کائی خانه پر نقش و نگار آید

نگارا صبح نوروز است و روز تو امروز است
که در اسلام این سنت بهر عیدی شعار آید

بیاد دست هست دستی دو زین بیش میگفتم
که چون نوروز آید نوبت بوس و کنار آید

تو شکر خنده میکردی و نیک آهسته میگفتی
بود نوروز من روزی که صاحب اختیار آید

حسین خان میر ملک جم که چون در بزم بنشیند
نصیب اهل گیتی از یمین و از یسار آید

بگاه کینه گر تنها نشیند از بر توسن
بر اندیشش چنان داند که یک عالم سوار آید

بگاه خشم مژگانهای او در چشم بدخواهان
چو تیر تهمتن در دیدهٔ اسفندیار آید

ز بیم عدل او خفتند چنان کش نیست بیداری
بچشم فتنه بیداری خواص کوکنار آید

چو یاد از باد قهر او کنم گاه سخن سازی
دوات و دفتر و کلکم بهر سو تار و مار آید

چو وصف تیغ دشمن سوز او را بر زبان آرم
چو دوزخ از دهانم بهر سوزان شرار آید

خیال جنبش یکران او چون در ضمیر آرم
فضای عالم اندر نظر یکسر غبار آید

چو طبع روشنش را در رضایت منقبت گویم
بچشم تاب خورشید درخشان مستعار آید

حدیث خلق او از نامه چون در خامه بنویسم
سراسر نقش دیوانم چو نقش قندهار آید

ز بیم رمح او در دیدگان خصم او زین پس
بجای مژه پیکان و بجای خواب خار آید

بروز رزم او در گوش اهل مشرق و مغرب
بهر جانب که رو آرند بانگ زینهار آید

ز شوق آنکه بر مردم کف رادش ببخشاید
زر از کان سیم از معدن در از قعر بحار آید

بروز رزم او در گوش اهل مشرق و مغرب / بهر جانب که رو آرند بانگ زینهار آید

محاسب گفت روزی بشمرم جودش ولی ترسم / ز خجلت سر نیارد سر اگر روز شمار آید

که کین با کف زر بخش چون بر رخش بنشیند / بدان ماند که ابری بر فراز کوهسار آید

حصاری نیست ملک آفرینش را مگر حزمش / چه غم جیش فنا را کاندر آن محکم حصار آید

والک قدرا ملک صدرا بهار آید بهر سالے / بوی آن که از خلقت بگیتی یادگار آید

بعیدت تهنیت گویند من گویم تو خود عیدی / بعیدت تهنیت هر کو نماید شرمسار آید

مرا نوروز بُد روزی که دیدم چهر فیروزت / دگر نوروزها در پیش من بی اعتبار آید

الا تا نسبت صدرا اگر با چار صد سنجی / چنان چون نسبت ده با چهل یک با چهار آید

حسابِ دولت افزون از آن کاندر حساب افتد / شمار مدتت بیرون از آن کاندر شمار آید

تو پنداری دهانت بحر عمانست قاآنی / که از وی رشته اندر رشته درّ شاهوار آید

(۶)

راستی را کس نمیداند که در فصل بهار[۱] / از کجا گردد پدیدار این همه نقش و نگار

عقلها حیران شود کز خاک تاریک نژند / چون برآید این همه گلهای نغز کامگار

گر نه نقش آب و خاکست این همه ریحان و گل / از چه بر ناید گیاهی ز آب و خاک شوره زار

کیست آن صورتگر ماهر که بی تقلید غیر / این همه صورت بَرد بی علت و آلت بکار

چون نپرسی این تماثیل از کجا آمد پدید / چون نجوئی کاین تصاویر از کجا شد آشکار

---

۱؎ این قصیده در مدح بهادر و امیر کامگار حسین خان نظام الدوله گفته شده است۔ قاآنی درین قصیده خود شکایت از یار هم کرده است۔

خیری از مهر که شد زینسان بگلشن در دو روے — لاله از عشق که شد زینسان ببستان داغدار

از چه بی زنگار سبز است از ریاحین بوستان — از چه بی شنگرف سرخ است از شقایق کوهسار

بادی عنبر چرا شد این چنین عنبر فشان — ابر بی گوهر چرا گشت این چنین گوهر نثار

بر کف این تسبیح یاقوت از چه گیرد ارغوان — بر سر این تاج زمرد از چه دارد کوکنار

برق از شوق که می خندد بدینسان قاه قاه — ابر از هجر که می گرید بدینسان زار زار

چون مجوسان بلبل از ذوق که دارد زمزمه — چون عروسان گلبن از بهر که بندد گوشوار

ابر غواصی نداند از کجا آرد گهر — بادر قاصی نداند از چه رقصد در بهار

تا که گوید باد را بی مقصدی چندین بوی — تا که گوید ابر را بی موجبی چندین ببار

چهر سوری از چه شد بغازه زینسان سرخ رنگ — زلف سنبل از چه شد بی شانه زینسان تابدار

راستی چون خواجه باید عارفی یزدان پرست — تا شناسد قدر صنع و قدرت پروردگار

بدر ایمان صدر ایمان حاجی آقاسی که هست — هم مرید خاص یزدان هم مراد شهریار

چهر او یک خلد حور و وردی او یک عرش نور — خط او یک گله مور و زلف او یک سله مار

جادوی در زلف مفتولش گره اندر گره — ساحری در چشم مخمورش قطار اندر قطار

ارغوان عارضش را حسن و طلعت رنگ و بوی — پرنیان پیکرش را لطف و خوبی پود و تار

از دو چشم کافرش یک دودمان دل دردمند — از دو زلف ساحرش یک خانمان جان بیقرار

توده زلف سیه پیرامن رخسار او — برجی از مشک است گفتی از بر سیمین حصار

چاه یوسف تعبیت کرده است گفتی در ذقن — ماه گردون عاریت بسته است گفتی بر عذار

نی غلط کردم خطا گفتم که نشنیدم بعمر — هیچ چاهی داز گردن هیچ ماهی بی مدار

رشته اندر رشته زلفش همچو تار عنکبوت — حلقه اندر حلقه جعدش همچو پشت سوسمار

طره اش چون پنجهٔ باز شکاری صید کرد
مژه اش چون چنگ شیر مرغزاری جان شکار

هی لبش بوسیدم و هی شد دهانم شکرین
هی خطش بوئیدم و هی شد مشامم مشکبار

قند در شکر بد که میخوردم از آن لب تنگ تنگ
مشک و عنبر بد که میبردم از آن خط بار بار

گفت ده بوسم بلب افزون مزن گفتم بچشم
هی همی بوسیدمش لب هی غلط کردم شمار

هر چه گفت از ده فزون تر شد بشوخی گفتمش
در شمار ده غلط کردم تو از سر می شمار

گفت میخواهی مرا ده بوسی تا به صد
گفت نی میخواهمت صد صد ببوسم تا هزار

گفت بالله چون تو یک عاشق ندیدستم حریص
گفتم الله چون تو یک دلبر ندیدم بردبار

زیر لب خندید و گفت ای شاعرک ترسم که تو
نرم نرمک از پی هر بوسهٔ خواهی کنار

گفتم آری داعی شاه استم و مداح میر
از پی بوس و کناری چون زمن گیری کنار

الغرض با یکدیگر گفتیم چون لختی سخن
خادم آمد گفت ای آقا آنی از حق شرمدار

صحبت معشوق دمی تا چند مانا غافلی
زانکه فردا شب شب تحویل است وقت آر

گفتم ای خادم مگر نوروز سلطانی رسید
گفت بخ بخ رای ناقص بین و عقل مستعار

سبزه شد پیروزه پوش و لاله شد مرجان خروش
سرخ گل آمد بجوش و سرخ گل آمد ببار

کارگاه ششتری شد از شقایق بوستان
پر زماه و مشتری شد از شکوفه شاخسار

خیز و سوی بوستان بگذر که گوئی حور عین
عنبری گیسو پریشیده است اندر مرغزار

زیر هر شاخی ظریفی با ظریفی باده نوش
پای هر سروی حریفی با حریفی میگسار

یکطرف غوغای عود و بربط و مزمار و چنگ
یکطرف آوای کبک و صلصل و دراج و سار

صوفی این جا در سماع و مطرب آنجا در سرود
عاشق این جا شادمان و دلبر آنجا شاد خوار

چشمها در چشم ساقی کامها به جام می
گوشها به لحن مطرب رویها در روی یار

شکل نرگس چون بلورین ساغری پر زر و سیم
یا فروزان بوته از سیم پر زر عیار

کی بپای سرو بن از وجد میر قصید تذرو
کی بشاخ سرخ گل از شوق میخند هزار

مرزها از بر آذاری پر از در عدن
مغزها از یاد فروردین پر از مشک تتار

خادمک هر چند با من در عبارت تند شد
حق چه با او بود الحق گشتم از وی شرمسار

گفتم ای خادم بهل آن خامه و دفتر به پیش
تا دماغی تر کنم ز اول بده جام عقار

گفت تا کی میخوری ترسم گرت رانده رود
جای جام می بیارم باز گوئی می بیار

بادخواران دگر را قسمتی هم لازم است
نی نصیب تست تنها هر چه می در روزگار

گفتم ای خادم تو میدانی زبان در کام من
هست در بندگی نائب مناب ذوالفقار

می بده که امروز در گیتی منم خلاق نظم
ز آنکه هوشیاری مرا در عین مستی چند بار

مست چون گردم معانی در دلم حاضر شود
ور ز دلم غائب شود آنگه که گردم هوشیار

خادمک در خشم رفت و زیر لب آهسته گفت
باش کامشب می خوری فردا ز تدبیرش بدار

رفت عمداً بر سر میخانه در سر جوش و خم
زان شراب آورد کز عکسش زمین شد لاله زار

زان می کز وی اگر یک جرعه پاشی بر زمین
از سر مستی کند هفت آسمان را سنگسار

الغرض جام دو چون خوردم قلم برداشتم
گفتم اندر یک دو ساعت این قصیده آبدار

## مطلع ثانی

باده جان بخش است دلکش خاصه از دست نگار
خاصه هنگام صبوحی خاصه در فصل بهار

خاصه بر صحن گلستان خاصه بر اطراف باغ
خاصه زیر سایهٔ گل خاصه در پای چنار

خاصه با یار مساعد خاصه اندر روز عید
خاصه با امن و فراغت خاصه با من لیک

خاصه با الحان سار و صلصل و دراج و کبک — خاصه با آواز چنگ و بربط و طنبور و تار

خاصه آن ساعت که خوش بر سبزه می غلطد نسیم — خاصه اندم کاید از گلزار باد مشکبار

خاصه آن ساعت که یار از بیخودی آید برقص — گاهی افتد بر یمین و گاهی افتد بر یسار

خاصه آن ساعت که از مستی نگار نازنین — همچو یک خروار گل غلطد میان سبزه زار

خاصه آن ساعت که چون ساغر تهی گردد زمی — از ره آید باد و مینا باده ترکی میگسار

خاصه اندر ملک ایران خاصه اندر عهد شاه — خاصه در شیراز در دوران صاحب اختیار

بندهٔ شاه عجم فرمانروائی ملک جم — ناصر خیل امم بحر کرم کوه وقار

ناظم لشکر حسین خان آنکه از دست جواد — در دهد یکره هر آنچه آرد بیک قرنی بحار

آنکه چون در وصف تیغش خامه گیرم در بنان — چون زبانهٔ شمع ز انگشتان من خیزد شرار

دست او در بزم منعم چون عطای ایزدی — قهر او در رزم مبرم چون قضای کردگار

بخل از جودش عقیم و دهر از قهرش سقیم — امن در عهدش مقیم و فتنه در عهدش فگار

افتخار هر که در عالم با اخلاق نکوست — ای عجب اخلاق نیکو را بود زهست افتخار

اعتبار هر که در گیتی بمال و کشور است — ای شگفتی مال و کشور زو پذیرفت اعتبار

اقتدار هر که در گیهان بگنج و لشکر است — ای عجیبا گنج و لشکر زو گرفت است اقتدار

انتظار سایلان زین پیش بود از بهر جود — جود او ایدون کشد مر سایلان را انتظار

دیکه گوئی از ضمیرش گشت هر تاری منیر — پس چرا مهر منیر از شرم رایش گشت تار

دی که گفتی از عطایش هست هر خواری عزیز — بس چرا گنج و گهر از جود دستش هست خوار

یاد او عقل است از آن در هر سری دارد وطن — مهر او روح است از آن در هر دلی دارد قرار

قهر او زهر است از آن تن را نیفتد سودمند — خشم او مرگ است از آن جان را نباشد سازگار

روز قهر او نبرم اندر بخند دیاده نوش　　گاه مهر او بهمدا اندر نگرید شیر خوار

بسکه زهره یره دلان را آب سازد تیغ او　　روز روشن از زمین زنگار گون خیزد بخار

گر نبودی مدح او دانا ز دانش داشت ننگ　　در نبودی شخص او گیتی ز هستی داشت عار

لفظ او از خار گل سازد بلطف بوستان　　حزم او از یادپل بندد بآب جویبار

گر نسیم لطف او به هفت دریا بگذرد　　یا همچو بحر طبع من شیرین شود آب بحار

در رود در شوره زار از نطق شیرینش سخن　　تا ابد نخل رطب روید ز خاک شوره زار

آیت قهرش دمیدم وقتی اندر بحر و کوه　　بحر شد لختی دخان و کوه شد مشتی غبار

روزی از تیغش حدیثی بر زبان من گذشت　　از زمین و آسمان برخاست بانگ زینهار

یک شب اندر کوهسار از عزم او راندم سخن　　خاست چون مرغ از سبکباری بپرد کوهسار

در چمن دیدم درختان را که در اوصاف او　　گردهم جمع اندیکسر با زبانی حق گذار

یا یکی گفتم شما را هم مگر از جود او　　بهره باشد یاسخ گفت آری بیشمار

گر نبودی جود او ما را نبودی رنگ و بو　　در نبودی فضل او ما را نبودی برگ و بار

مرد را خوانند صاحب اختیار ولیک من　　نیک در ششش چنین می بینیم و رای اختیار

در رضای ایزد و اخلاص شاه و حکم شرع　　در دلای خواجه و انفاق مال و نظم کار

حبذا از کلک سحارت که از بس ساحری　　گوهر رخشان ز مشک سوده سازی آشکار

شکر مصری بچینی آرد که از دریای هند　　گوهر عمان بروم آرد کسی از زنگبار

گر چه نی شکر دهد آن نی شکر بخشد از آنک　　از کف راد تو دارد بحر عمان در چوار

نیز اگر عنبر فشاند لیو عجب نبود که هست　　دست تو دریا و عنبر خیز دارد دریا کنار

راستی خواهد مگر آب حیات آرد بدست　　که این چنین بیوسته در ظلمات پوید خضر وار

خلق میگویند اسکندر چو در ظلمات رفت  بس گهر آورد و میگفتم ندارم استوار
لیک باور شد مرا روزیکه دیدم کلک تو  رفت در ظلمات و بازآورد در شاهوار
سرور اصدر اخداوندا همی دانم که تو  نگرود در خاطرت جز نام شاه نامدار
به دعای پادشه زانرو کنم ختم سخن  تا تواید دن به مراد خویش گردی کامگار
تا بود خورشید شاه اختران در آسمان  شاه شاهان پادشاه شاهنشاه ما در روزگار
شوکتش چون نور انجم تا قیامت بیقصور  دولتش چون دور گردون تا به محشر پایدار
راحت امروزه اش هر روز افزون تر ز دی  عشرت امساله اش هر سال نیکوتر زپار

## ( ۷ )

عید[1] است ساقی در قدح صهبا ز مینا ریخته  در گوهر الماس گون لعل مصفی ریخته
کرده پی اکسیر جان در طلق زر نیم روان  در ساغر سیماب سان کو کرد احمر ریخته
آب از سراب انگیخته آتش ز آب انگیخته  ز آتش حباب انگیخته در جرعه دریا ریخته
می موج زن در ساغر به زان موج فوج غم تبه  اندر هلال یک شبه عقد ثریا ریخته
پیمانه کاس من معین غلمان غداران حور عین  در بزم چون خلد برین طرح شمار ریخته
مجلس بخوبی چون ارم زرین پیاله جام جم  زنجیر پا به پای غم از موج صهبا ریخته
خم مریم تهمت نزده دوشیزه آبستن شده  زو طفل می در میکده آب مسیحا ریخته
دف بر سینه دایره در چنبرش صد چنبره  باهم بطرح مشورد طرح موا سار ریخته

---

[1] این قصیده در مدح شجاع السلطنه مغفور حسن علی میرزا گفته شده است

چنگ است زانی پشت خم در پی عقابی متهم  هر دم زبانگ زیر و بم بنیاد غوغا ریخته

صهبا به سیمین بلبله بکری بشادی حامله  از نقش زرین مشعله نیرنگ بیضا ریخته

خنیاگران بر بسته صف در چنگ چنگ و دف نای  طرح نشاط از هر طرف در بزم دارا ریخته

دارای اسکندر حشم هوشنگ طهمورش خدم  کز ابر کف گاه کرم لولوی لالا ریخته

صبح است و بر طرف افق خونست عمدا ریخته  یا اطلس چینی فلک بر فرش دیبا ریخته

شنگرف بر قرطاس بین بیجاده بر الماس بین  گرد زمرد طاس بین یاقوت حمرا ریخته

تیغ سحر بیتاب شد نجم از فلک بیتاب شد  زان زهره شب آب شد در زهره صفرا ریخته

افراخت فر در دین علم شد لشکر دی منهزم  صبح از شفق آتش زدم بر دفع سرما ریخته

با خون شب را ناگمان کز دی سوادی شد عیان  از نشتر خور آسمان بر دفع سودا ریخته

یا نی شجاع السلطنه چون شیر دشت ارژنه  خون دلیران یکتنه در دشت هیجا ریخته

آنکو ز تیغ جانستان و آنکو ز قدر بیکران  هم خون سلطان ارسلان هم آب بغرا ریخته

رمحش چه ماری جانگزا آتش فشان چون اژدها  بر پیکر خصم و دغا زان زهر افعی ریخته

تیغش سمندر طینتی طوطی هندی فطرتی  رومی تن زنگی هیئتی آتش ز اعضا ریخته

آتش دل و پولاد رگ وانگه تن پیچان چو کلک  وز فرق پیلان یک بیک خون پیل بالا ریخته

اقبال و دولت شایقش تایید ذات عاشقش  پیوسته اشک وامقش بر روی عذرا ریخته

جرم کواکب نیست هان چون گوهر از هر سو عیان  رشحی ز دست درفشان بر طبق خضرا ریخته

طبعش نهالی بارور جودش شکوفه لطف بر  پیوسته در ساحتش ثمر در باغ دیبا ریخته

هم پایش از دانشوری بر فرق مهر و مشتری  هم آب ابر آذری از طبع والا ریخته

رمحش بقتل دشمنان با زهر آلوده سنان  لیکن بکام دوستان آن زهر حلوا ریخته

در قعر دریا شد صدف به خجلتِ خود معترف ‌‌ باشد لآلی زابر کف شرقاً و غرباً ریخته

تیغش هلال آسا ستی از لمعه چون بیضا ستی ‌‌ بر جیش تن اعدا ستی زان شکل جوزا ریخته

در عهدش دشنام ستم افتاده بر خاک عدم ‌‌ چونانکه از طاق حرم شد لات و عزی ریخته

ای حمد ز جانها نام تو دور طرب ایام تو ‌‌ دست فلک در جام تو شهد مصفا ریخته

از سده ات نازان زمین بر سر ره عرش برین ‌‌ بر فرق ات جان آفرین فرموفا ریخته

تیغت بخون آبستنی وز خون کنارش گلشنی ‌‌ صد رنگ خون از هر تنی روز محابا ریخته

مملکت کشیده است از رقم بر نقش انگلیون قلم ‌‌ در قالب موتی زدم روح معلی ریخته

زان هندی دریا نشین تیر فلک عزلت گزین ‌‌ سر برده اندر آستین گوهر ز سهلا ریخته

ماری بود خوشخال و خط بر دی ز هر زنگی نقط ‌‌ در کام خصم بی غلط زهر آشکارا ریخته

شک آورند از ملک چین او رفته در مغرب زمین ‌‌ مشک ارمغان آورده بین در چین طغرا ریخته

گه رفته در هندوستان آلوده از عنبر دهان ‌‌ طوطی صفت در کام جان شکر ز آوا ریخته

روزی که از گرد سیه جلباب بندد مهر و مه ‌‌ گرد از هر سو خاک ره در چشم بینا ریخته

هامون شود آمون خون صحرا شود سیحون خون ‌‌ وز هر جهت جیحون خون بر خاک و خارا ریخته

اندر زمین دست فلک بر آتش افشاند نمک ‌‌ سیماب در گوش ملک بینی ز هر ابر ریخته

پولادسنجان در وغا بر پاره پولاد خا ‌‌ هر یک ز هندی اژدها چون بیل با ریخته

هنگام رزم از هر کران گردد و تیغ خون فشان ‌‌ خون از تن قربانیان چون عید اضحی ریخته

هر صارم هندی نسب پوشد تن چینی سلب ‌‌ ماری شود ذات لهب بر کشت جانها ریخته

چون تو برون آئی ز صف کف بر لب و خنجر بکف ‌‌ بر چهره چون ماه کلف از گرد عنبر ریخته

از خون خصم بوالهوس جاری کند رود ارس ‌‌ تیغت که اندر یک نفس صد خون به تنها ریخته

هر کس پی اخذ بقا کالا فشانده در وغا ‏ ‏ از ابلهی خصم دغا جان جای کالا ریخته

ای خنک گردون مرکبت نصرت روان در موکبت ‏ ‏ بر طور جانها کوکبت نور تجلی ریخته

مانا بمرگ ناگهان تیغت بود جان در میان ‏ ‏ کز بد کنش بگرفته جان خونش منفا جا ریخته

با همتت ای دادگر دریای اعظم در نظر ‏ ‏ آبیست اندر رهگذر از مشک سقا ریخته

پیرایه فر در دین بری کردی چو جشن عید طی ‏ ‏ زی ملک خور راندی بری طرح تماشا ریخته

هم پاره در آتشکده آراستی جشن سده ‏ ‏ از قهر نار موصده بر جان اعدا ریخته

در ششش طرازا امسال هم دادی طراز جشن جم ‏ ‏ در کام جانها از کرم نقل مهنا ریخته

ساغر نمی اندوخته کند ر بکنده سوخته ‏ ‏ در مجمره افروخته عود معطر ریخته

مانی بعشرت هم چنین تا سال دیگر طرح دین ‏ ‏ از نصرت جان آفرین اندر نخار ریخته

ای شاه قاآنی منم خاقانی ثانی منم ‏ ‏ نی آب خاقانی منم زین نظم غرا ریخته

اکنون منم در شاعری قایم مقام عنصری ‏ ‏ از نظم الفاظ دری بیرنگ و معنی ریخته

تا هست از این اشعار تر در صفحهٔ گیتی اثر ‏ ‏ هر دم از او گنج دگر در سمع دانا ریخته

فرخنده بادا فال تو پاینده ماه و سال تو ‏ ‏ نور هدی بر حال تو ز اسمای حسنی ریخته

کاخ ریاست منزلت بزم کیاست محفلت ‏ ‏ فیض کرامت بر دلت ایزد تعالی ریخته

---

## (۸)

نهانی از نظر ای بی نظیر از بس عیانستی[۱] — عیان شد سر این معنی که میگفتم نهانستی

گهی گویم عیانستی گهی گویم نهانستی — نه اینستی نه آنستی هم این استی هم آنستی

نبیند آن کت از عین عیان بیند نهانستی — نه بیند آن کت از چشم نهان جوید عیانستی

یقین هر چند میجوید گمان تر چند میبوید — نه محصور یقین استی نه مغلوب گمانستی

بیانی را که کس واقف نباشد نکته پردازی — زبانی را که کس دانا نباشد ترجمانستی

بیان و معنی و الفاظ و صورت نیستی لیکن — بمعنی صورت و الفاظ و معنی را بیانستی

بچشم حق نگر گر ژرف بیند مرد دانشور — تو در هر قطره پنهان چو بحر بیکرانستی

اگر کس عکس خورشید فلک در آبدان بیند — نیارد گفت خورشید فلک در آبدانستی

کجا مهری که سیصد چند عنبر اجرام رخشانش — درون آبدان بودن خلاف امتحانستی

دگر گوید نه خورشید است کاندر آبدان دیدم — نه انکار عیان مردود عقل نکته دانستی

یکی گفتا قدیم از اصل با حادث نه پیوندد — سبب پیوند ما با ذات بیهمتا چنانستی

بگفتم راست میگوئی و راه راست میپوئی — ولیکن آنچه میجوئی عیان ازین بیانستی

بجنبد سرو را شاخ از نسیم و ریشه پا بر جا — بجنبد اصل آن از باد اگر فرعش توانستی

ازین تمثال روشن شد که شخص آفرینش را — ثباتی با حدوث اندر طبیعت توامانستی

بمعنی هست پاینده بصورت هست زاینده — بوجهی از مکان بیرون بوجهی در مکانستی

---

۱؎ در مدح توحید باری تعالی عز اسمه گفته شده است

ازآن پانید گی ہمسایہ باعقل گرانمایہ
ازاین زاہند گی ہمسایہ یا یونان زمانسی

روان بوعلی سینا ازاین اشراق سینائی
بزیر خاک تاری پائی کوبان کف زنانسی

کس از ری تربیت پویدکہ قاآنی چنیں گوید
سرآید مرحبا باللہ کہ تحقیق آنچنانسی

بہ خاصانت بپیوندد کلام نغز من چونان
کہ رہ گم کردہ راہبر جبرسی زی کاردانسی

(۹)

کشودی[1] زلف قیرآگین جہان را قیرگون کردی
نمودی چہر مہرآئین زمین را آسمان کردی

قمرآوردی از گردوں بشاخ ناروان بستی
گہر دزدیدی از عمان نہان در ناروان کردی

یکی گردندہ کوہی را لقب سیمین سرین دادی
یکی باریک موئی را صفت لاغرمیان کردی

بدان فتراک گیسو نرم نرمک پائی دل بستی
دزآن شمشیر ابرو اندک اندک قصد جان کردی

دو پیچ چین کردی از سنبل بگرد یک گلستان گل
دزآن پیچ پیچنیم نرشند ناتوان کردی

نمودی چہرہ ماہ آسمان را ز استان راندی
کشودی غنچہ گنج شایگان را رایگان کردی

دو جلباب از شب مشکین فگندی بر دو پروین
وپادر بارہ ماچین دو برج قیروان کردی

زغم چون شام تاریکست روز روشنم تا تو
شب تاریک را بر روز روشن سائبان کردی

ز چین گیسوی مشکین فگندی رخنہ ام در دین
جزاک اللہ خیرا کز زرہ کارسنان کردی

زبس نامہربانی بامن اے آرام جان کردی
فلک را باہمہ نامہربانی مہربان کردی

نگارا دلبرا یارا دلارا ما وفادارا
خجل زین نامہابادی کہ ما بانی نشان کردی

---

[1] درمدح توحید باری تعالیٰ

پری بکمر بیز دارد آهن تو ای ماه پری چهره — چرا یکپاره آهن را نهان در پرنیان کردی

سر زینت از کمر پیدا میانت در کمر پنهان — بنقدی کو که سیمین هست اگر موئی زیان کردی

در اول ارغوانم را نمودی زعفران و آخر — زخون دیده و دل زعفرانم ارغوان کردی

سیه شد رویت از خط وین خطا زان لفکانز زد — که صدره در سیه کاری مرا در امتحان کردی

چو دهقانی که گه در زعفرانم ارغوان کشتی — چو صباغی که گاه از ارغوانم زعفران کردی

نگفتم زلف تو دزد است از گردش میا ایمن — ازو غافل شدی تا یک طبق گوهر زیان کردی

کس از هندو نشود ایمن که بسیار دیده گوهر — ترا بس ساده کو را امین خود گمان کردی

سیاهی خانه کن را اختیار انجمن دادی — غرابی راهزن را رهنمائی کاروان کردی

نه این زلفت همان هندو که دل دزدیدی از هر سو — کجا دیدی امانت دزد که او را پاسبان کردی

نه این زلفت همان رهزن که میزد راه مردن — چه موجب شد که او را خازن گنج روان کردی

نه این زلفت همان زنگی کش از روم است دلتنگی — چه شد کاو دزدی و در مرز رومش مرزبان کردی

نه این زلفت همان کافر که بردی این دو دل یکسر — چه شد کاندر حریم کعبه او را حکمران کردی

نه این زلفت همان شیطان که خصمی داشت با ایمان — چه شد کآدم صفت زینسان بخویشش رایگان کردی

نه این زلفت همان زاغی که زد ویرانه هر باغی — چه شد کان زاغ را به باغ عارض باغبان کردی

گره کردی چو مشت پهلوانان زلف مشکین را — بصد نیرنگ و فن افتاده را پهلوان کردی

الا ای زلف خم در خم چرائی آنچنین درهم — چه شد کامروز با ما هم زنخوت سرگران کردی

گهی بر مه زدی پهلو گهی با گل گرفتی خو — گه از چنبر نمودی گو گه از چین صولجان کردی

زبس چین و گره داری بتن مانا زره داری — خدنگ کین بنزه داری زآن قد چون کمان کردی

نه ماری از چه بر گنج لآلی پاسبان گشتی — نه زاغی از چه بر شاخ صنوبر آشیان کردی

نه طاوسی چرا بر ساحت جنت قدم سودی — نه شیطانی چرا بر روضهٔ رضوان مکان کردی

تو خود دکیشمت موافق دون نه ای زلف چرا نم — که چون از بوی جان پرور جهان را بوستان کردی

همانا نافهٔ چینی نهفتی زیر هر چینی — دیا آهوی تاتاری بهر تاری نهان کردی

ز موی اینچنین بوئی مرا بالله شگفت آمد — سیه زلفا مگر جیب و بغل پر مشک و بان کردی

کجا استغفر الله مشک و بان این بوی دارد این نکهت — سیه زلفا کمانم آستین پر ضیمران کردی

نه هرگز حاش لله ضیمران این طیب و این طیبت — سیه زلفا یقین جا در بهشت جاودان کردی

علی الله عارض حور جنان این زیب و این زینت — سیه زلفا مگر روح القدس را میهمان کردی

نیاید از دم روح القدس این طیب و طوبی لک — که از یک بوی جان پرور جهانی شادمان کردی

سیه زلفا تو خود بر کو چه کردی تا شدی مشکین — که من اینها که بسرودم نه این کردی نه آن کردی

ولیکن برده ام بوئی که این بو از چه شد پیدا — چرا سربسته گویم کاینچنین با آنچنان کردی

معاذ الله بهشت جاودان این راه و این راه [است] — سیه زلفا مگر الفت تو با حور جنان کردی

نهانی رشوتی دادی نسیم صبح را وز او — غباری عاریت از درگه فخر زمان کردی

(۱۰)

باد نوروزی[۱] شمیم عطر جان می آورد — در چمن از مشک چین صد کاروان می آورد

رستم عید از برای چشم کاوس بهار — نوشدارو از دل دیو خزان می آورد

یا منوچهر صبا زی آفریدون ربیع — فتح نامهٔ سلم دی از خاوران می آورد

بهر دفع بیوراسب دی گلستان کاوه را — از گل سوری درفش کاویان می آورد

---

۱ این قصیده در مدح شجاع السلطنه حسن علی میرزا گفته شده است

رستم اردی بهشتی مژده نزد طوس عید / از هلاک اشکبوس مهرگان می آورد

بهر ناورد فرامرز حریف اینک سپهر / از کمان بهمنی تیر و سنان می آورد

یا پیام کشتن دارای دی را باد صبح / در بر اسکندر صاحبقران می آورد

یا شماساس خزان را قارن اردی بهشت / دستگیر از نیزهٔ آتش فشان می آورد

یا نوید قتل کرم هفتواد دی نسیم / در چمن چون اردشیر بابکان می آورد

یا گردی فصل دی را بر فراز تل خاک / گیو فروردین بخواری موکشان می آورد

نفس نامی را نگر کانیک باستمداد باد / نقشها از پرده در سلک عیان می آورد

خواهران لاله و گل را ز هفت اندام خاک / همچو رویین تن ز ره هفتخوان می آورد

خندهٔ گل راست باعث گریهٔ ابر ای شگفت / کاشک چشم او خواص زعفران می آورد

نفس نامی خود شنودی نیست بل اینهو خوشست / صنعها بین تا ز هر حرفت چسان می آورد

گاه بر مانند نسا جان پرند از نسترن / در چمن دیبا و از گل پرنیان می آورد

گاه بر هنجار صرافان زر و دینار چند / از گل خیری ببازار جهان می آورد

مطلعی از مطلع طبعم بر آمد کز فروغ / مهر را در چادر تجلی نهان می آورد

ساقی ما تا شراب ارغوان می آورد / بزم را آذرم گلگشت جنان می آورد

جام کیخسرو دُمُه از خون سیاوشان کند / در دل الماس یاقوت روان می آورد

قصر اسکندر همین ظلمات بدنی آب خضر / صبح رمزی این سخن را در بیان می آورد

خود نمید است اسکندر مگر کو ند شراب / هست تاثیری که عمر جاودان می آورد

از دل صاف صراحی در تن تابنده جام / دست ساقی مایهٔ روح روان می آورد

دست افشان پای کوبان هر دو ساقی ساده روی / رو بسوی درگه پیر مغان می آورد

خلق را جشن دگرگون است گویا نوبهار — از شمیم عطر گلستان شادمان می آورد

یا نسیم صبحگاهی مژده گانی نزد خلق — از نزول موکب شاه جهان می آورد

قهرمان ملک جمشیدی بهادر شه حسن — آنکه کیوان را بدرگه پاسبان می آورد

آن شهنشاهی که هر شام و سحر از روی شوق — سجده بر خاک رهش هفت آسمان می آورد

آنکه یک رشح کف او آشکارا صد هزار — گنج بادآورد و گنج شایگان می آورد

هر که را الطاف او تاج شرف بر سر نهاد — روزگارش کامگار و کامران می آورد

هر چه جز نقش وجود اوست نقاش قضا — بر سبیل آزمون و امتحان می آورد

هیچ دانی با عدو تیغ جهان سوزش چه کرد — آنچه بر سرگشت را برق یمان می آورد

تا بدیوان جهان نامش رقم کرد آسمان — نام دستان را که اندر داستان می آورد

رفعت کاخ جلالش در سیه ایوان دماغ — کاردانان یقین را در گمان می آورد

نصرت و فیروزی و فتح و ظفر را روزگار — بار کاب شوکت او همعنان می آورد

حسرت دست گهربارش مزاج ابر را — با خواص ذاتی طبع دخان می آورد

فرّهٔ دیهیم دارائیش هر دم صد شکست — بر شکوه افسر شاه اردوان می آورد

خصم چون بادی ستیزد خره سوار از کجا — تاب ناورد سوار سیستان می آورد

مور کرستی نیارد تیره گاهی بر کشید — کی گزندی بر تن شیر ژیان می آورد

باطنین پشهٔ لاغر گر تهیجش زور نیست — کی خلل بر خاطر پیل دمان می آورد

نی گرفتم از در طوس است آسیب از کجا — بر تن و بازوی سام پهلوان می آورد

کمترین گر پاس دار بارگاه حشمتش — از جلالت پا بفرق فرقدان می آورد

گردش گردون بگردش کی رسد هر گه که او — در جهان رخش عزیمت را جهان می آورد

لرزه اندر هیکل هفت آسمان افتد ز بیم
چون بهیجا دست به گرز گران می آورد

دفتر شاهان پیشین را بشوید اندر آب
هر کجا کاآفاق نامش بر زبان می آورد

ای شهنشاهی که از تاثیر عدلت روزگار
صعوه را از چنگل باز آشیان می آورد

گر نه فرمانت فلک گردن کشد بر گردنش
دست دوران پالهنگ از کهکشان می آورد

روزگار را از دواج چار مام و هفت باب
با کفت طفل عطارا توامان می آورد

نیست جز تاثیر تابان نجم بختت هرچه را
لاب زاسطرلاب و رمز ارد جان می آورد

معجز تاثیر انفاس تو در تسخیر ملک
از دم عیسی بروح الله نشان می آورد

موسی شخص تو فرعون حوادث را ستوه
از ظهور معجز کلک و بنان می آورد

مر قضا را در نظام حق و عقد روزگار
هرچه گوئی اینچنین او آنچنان می آورد

آسمان جز مهر و کینت ننگرد سرمایه
آشکارا هرچه از سود و زیان می آورد

چون فلک صاحبقرانی چون ترا نادیده
زان سبب آسوده ات از هر قران می آورد

شاد زی شاها که دائم پیر وجودت عقل پیر
مژدها از جانب بخت جوان می آورد

سوی قاآنی ز روی مرحمت چشمی فگن
کز در معنی بشارت هر زمان می آورد

گرچه نظمت نیست نظمی کش توانستن شنید
زانکه طبعش آسمان و ریسمان می آورد

لیک چون هموار در مدح تو میراند سخن
روزگارش هر دو عالم رایگان می آورد

روح پاک افضل الدینش به تحسین یک او
تهنیت هر دم ز خاک شیردان می آورد

روز و ماه و سالیان در درد و غم در رنج مباد
تا که دوران روز و ماه و سالیان می آورد

## (۱۱)

ساقی[1] بده رطل گران زان می که دهقان پرورد / انده برد غم بشکرد شادی دهد جان پرورد

در خم دل پیر مغان در جام مهر زرفشان / در دست ساقی قوت جان رخسار جانان پرورد

در جان جهد زان بیشتر کز وی گلو یابد خبر / نارفته از لب در جگر کز رخ گلستان پرورد

چون بر فروزد مشعله یکسر بسوزد مشغله / دیو ار شود زو حامله حوری نبرهان پرورد

بر دل گشاید بوستان بر رخ نماید ارغوان / در مغز کارد ضمیران در روح ریحان پرورد

شادی دهد غمناک را اکسیر کند ضحاک را / بیجاده سازد خاک را وز خاک انسان پرورد

از سنگ سازد توتیا وز خاک آرد کیمیا / از درد انگیزد صفا وز درد درمان پرورد

بر گل فشانی گل شود بر خس چکد سنبل شود / زاغ ار خورد بلبل شود صد گونه الحان پرورد

جلاب جان قلاب تن مایه خرد دایه فطن / هوش هزار ادریس را در مغز نادان پرورد

می چون دل مینا بود کو را بدن بینا بود / یا آتش سینا بود کش آب حیوان پرورد

دل را از او زاید شغف جان را از او خیزد شرف / چونانکه گوهر از صدف از آب نیسان پرورد

از جان پاکان خاک او وز روح آب تاک او / گاید درن عصیر پاک او جان سخندان پرورد

زان جوهر خورشید فش گر عکسی افتد در حبش / خاک حبش فردوس وش تا حشر غلمان پرورد

لعل بدخشانش لقب ماه درخشانش سلب / ماه درخشان ای عجب لعل درخشان پرورد

جان را سرور و سور از او دل را نشاط و شور از او / مانا جمال حور از او در خلد رضوان پرورد

---

[1] این قصیده در مدح پادشاه محمد شاه غازی گفته شده است

در چشم روان دارد همی زاتش دغان دارد همی
در جام جان دارد همی زان جان بشریان پرورد

دی با یکی گفتم پری جان پرور یا می گفت هی
جان پرورد تن را ومی جان را دو چندان پرورد

چون مطرب آید در طرب یاری طلب یاقوت لب
سیمین بری کاندر قصب ماه درخشان پرورد

عقد ثریا در لبش سیماه درِ غبغبش
وان زلف هندو مشربش کفری که ایمان پرورد

زلفش چو دیو خیره سر وز دست دیوانه تر
کز روی یک گردون قمر وز زیر دامان پرورد

گل پرورد در مشک چین گوهر فشاند ز انگبین
بیضا نماید ز آستین بر در گریبان پرورد

جوزا نماید از کمر پروین فشاند از شکر
گر دم گزارد به قمر گوهر بمرجان پرورد

پیدا لب پنهان دهان این نوش تن آن نوش جان
بس جان و دل کز این و آن پیدا و پنهان پرورد

رویش ز دیبا نرم تر وز رفتنش بی آزرم تر
آبی از آتش گرم تر کز شعله عطشان پرورد

خورشید رو ذره دهان تاریک مو روشن روان
خم بر سر پیل لاغر کاین کاهد و آن پرورد

زلفش چو طنازی کند بر ارغوان بازی کند
بر مه زره سازی کند در حلقه شیطان پرورد

پوشیده گلبرگ تری در زیر زلف سنبری
گوئی روان مشتری در جرم کیوان پرورد

مشکین خطش بر گرد لب موریست جوشان بر طلب
گرد نمکدان ای عجب یکدسته ریحان پرورد

دارد غمم را بیشتر سازد دلم را ریش تر
مانا هزاران نیشتر در نوک مژگان پرورد

جز خط آن سیمین بدن کافزود حسنش را ثمن
هرگز شنیدی اهرمن مهر سلیمان پرورد

هرگه سخن راند ز لب در من فتد شور ای عجب
ناچار شور است آن رطب کش در نمکدان پرورد

چون در وثاق آید همی بر چیده ساق آید همی
تکلیف شاق آید همی آنرا که ایمان پرورد

خیزای نگارا ده دله آن رسم دیرین کن بله
بگذار جنگ و مشغله کاین هر دو خسران پرورد

جامی بخور کامی بجو بوسی بده حرفی بگو
زان پیش کاندر دی نکو خار مغیلان پرورد

درشت خواهم غنجت تا سخت تر بوسم لبت — ترسم ز زلف چون شبت کو رنگ عصیان پرورد
ای دو لبت ای همنفس یک بوسه دارم ملتمس — بگذار تا خود را مگس در شکرستان پرورد
بوسی بده بی مشغله بی زحمت و جنگ و گله — کز جان ببرفت آن حوصله کاندوه حرمان پرورد
ور بوسه ندهی ای پسر حالی بکین بندم کمر — گردد سخنور شیر نر چون رسم طغیان پرورد
وین شیره چون قاآنی کسی کو را بود حرمت بسی — زیرا که در مجلس بسی مدح جهانبان پرورد
ماه مهین شاه جهان غیث زمین غوث زمان — کز قیروان تا قیروان در ظل احسان پرورد
دارا محمد شاه راد آن قیصر کسری نژاد — آن کز رسوم عدل و داد آیین یزدان پرورد
از حزم داند خیر و شر از عزم گیرد بحر و بر — از جود بخشد خشک و تر وز عدل گیهان پرورد
قهرش همه زهر اجل در شد ز پستان اجل — مهرش همه طعم عسل در کام ثعبان پرورد
چون بر فروزد بر زرادر پنجه گیرد گرز را — مانند دان کالبرز را در بحر عمان پرورد
از هیبتش خصم دژم زان پیش کاید از عدم — تن را چو ماهی در شکم با درع و خفتان پرورد
ماریست کلکش گفته سر کز زهر بار دنیشکر — ناریست تیغش جان شکر کز شعله طوفان پرورد
دستش چو بخشد مال را روزی دهد آمال را — چون دایه کاطفال را از شیر پستان پرورد
گر حفظ ابنای بشر از حزم او یابد اثر — چون لوح محفوظش فکر حاشا که نسیان پرورد
تا در کمین خصم دغل یا وی نیا غازد حیل — از بهر سر موشی اجل چشمی نگهبان پرورد
مداح او با خویشتن گر لا تماز خلقش سخن — حالی بطبعش ذو المنن از هشت رضوان پرورد
در بدسگال بدسیر خشم وی آرد در نظر — در دم بجانش دادگر از هفت نیران پرورد
شاها مرا در انجمن خوانند استاد سخن — واکنون پریشان طبع من نظم پریشان پرورد
این نظم را ناگفته گیر این مدح را ناشفته گیر — این بنده را آشفته گیر ایرا که هذیان پرورد

این مدح را پایا تا بسر نه مقتدا و نه خبر — آری ز بد گوید بتر هوشی که نقصان پرورد

هم نیست عجب نی کاین ثنا افتد قبول پادشا — کاخر پسندد مصطفی شعری که حسان پرورد

شعری دو کز غیب آمده وز غیب بی‌عیب آمده — وحی ایست لاریب آمده تا مدح سلطان پرورد

الهام مطلق دانمش اعجاز برحق دانمش — وحی محقق دانمش وحی که ایقان پرورد

بی واسطه روح الامین این پرده زد جان آفرین — تا پرده دار ملک دین در پرده جانان پرورد

گفتن [illegible] من دادگر گاهی از خرد بیدار تر — خلاق بیداری شمر خوابی که ایمان پرورد

بیخود شو از صهبای من صهبا کش از مینای من — فیضی بود سودای من کز مشکل آسان پرورد

انیست به بیداری نشان کز وجد گوئی هر زمان — ساقی بده رطل گران زانی که دهقان پرورد

چون بنده عنوان کرده‌ها آن نغز شعر جانفزا — ارچه که اشعار مرا آن طرفه عنوان پرورد

تا رو بید از صحرا علف تا خیزد از دریا صدف — از غم عدویت چون کشف سر در گریبان پرورد

## (۱۲)

عید[۱] است و جام زرفشان از می گرانبار آمده — هر زاهدی دامن کشان در دیر خمار آمده

زاهد که کرد انکار می حیرت بدش از کار می — از هر چه جز گفتار می اینک در انکار آمده

عید است و یار دلستان بر دست جام ارغوان — با قد چون سرو روان بر طرف گلزار آمده

گل بیقرار از روی او سنبل اسیر موی او — اندر خم گیسوی او دلها گرفتار آمده

برگ صبوح از می بود جان را فتوح از می بود — تفریح روح از می بود هر گه که افکار آمده

---

[۱] این قصیده در مدح شجاع السلطنت حسن علی میرزا گفته است

می جان بود پیمانه تن دست بیانش پیرهن — زان کشتها لیش به بدن رگهای بسیار آمده

آن لجهٔ سیماب بین آن آتشین گرداب بین — آتش میان آب بین هر دم شرر بار آمده

عید مبارک پی نگر رخشنده جام می نگر — نالان نوای نی نگر کز هجر دلدار آمده

چنگ است زالی ناتوان رگهاش بیدار استخوان — از ناتوانی هر زمان در نالهٔ زار آمده

نائی که بسته هوش نی گفتا چه اندر گوش نی — کز سینهٔ پر جوش نی آه شرر بار آمده

بر بید بکف بربط نگر خون بط اندر بط نگر — تا می بهفتم خط نگر در جام شهوار آمده

بیجاده کانی است می یاقوت رمانی است می — لعل بدخشانی است می کائینه کردار آمده

از مطلع طبعم دگر زد مطلع تابنده سر — خورشید جلوه گر به چرخ دوار آمده

## مطلع ثانی

خرم دو عید دلکشا اینک پدیدار آمده — فرخ دو جشن جانفزا اینک نمودار آمده

جشنی ز نوروز عجم کاراسته سالار جم — جشنی که با کوس و علم شاه جهاندار آمده

یعنی شجاع السلطنه آنکو ز قلب و میمنه — هم رزم صد تن یکتنه در دست پیکار آمده

اسکندر دارا خدم دارای اسکندر حشم — سالار افریدون علم سلم سپهدار آمده

از لطف و قهرش این زمان شد آشکارا در جهان — زان مرکز آب روان زین مرکز نار آمده

لرزان تن کاوس از او ترسان روان طوس از او — در رزمگه کاموس از او چون نقش دیوار آمده

آرش فگار از تیر او گرشاسپ از شمشیر او — در حیطهٔ تسخیر او هفت و ششش چار آمده

هرگه که شمشیر آخته روی زمین پرداخته — گردون سپر انداخته عاجز ز پیکار آمده

گردان ستوده از رزم او گردون خجل از بزم او — ثابت به پیش حزم او هر هفت سیار آمده

تا گردش اندر جهان مانند مرکز درمیان — ز آغاز شکل آسمان بر شکل پرگار آمده

گردون کباب مهر او مست شراب مهر او — فیض سحاب مهر او بر کشت احرار آمده

مه نعل و سم مرکبش گردون روان در موکبش — تابنده نور کوکبش مرآت انوار آمده

ای کاخ کیوان جای تو مه سوده سر بر پای تو — تابنده روز از رای تو همچون شب تار آمده

ز انصاف تو جان زمان هستند در خواب امان — جز بخت تو کاندر جهان پیوسته بیدار آمده

هر قطره کاندر هوا باریده از ابر عطا — از شرم جودت قهقرا بر چرخ دوار آمده

بالای گردون پست تو هستی جدا ز هست او — غمگین ز فیض دست تو صد بحر زخار آمده

شاها به قاآنی نگر خاقانی ثانی نگر — فی روح خاقانی نگر اینک بگفتار آمده

تا بر زند از کوه سر خورشید خاور هر سحر — در شرق و غرب و بحر و بر نورش نمودار آمده

تابنده بادا اخترت بر سر خورشید افسرت — زان رو که رای انورت خورشید آثار آمده

تمام شد

ملنے کا پتہ

کتابستان

پبلشرس اینڈ بکسیلرس

۳۰ چک الہ آباد